مجلہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایما اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا۔

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

طلوع اسلام

ماھنامہ ______ لاھور

خط و کتابت

ناظم ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ)

25 بی گلبرگ۔ 2 لاہور 54660

ٹیلی فون : 876219

فیکس : 92-42-876219

انتظامیہ ادارہ طلوع اسلام

چیئرمین :- بریگیڈئر (ریٹائرڈ) اعزاز الدین احمد خاں

ناظم :- محمد لطیف چوہدری

مدیر مسئول :- محمد لطیف چوہدری

مجلس ادارت :- میجر محمد یوسف ڈار۔ محمد عمر دراز

ناشر :- عطاء الرحمٰن ارائیں

طابع :- خالد منصور نسیم

مطبع :- النور پرنٹرز و پبلشرز

3/2 فیصل نگر ملتان روڈ لاہور۔ 54500

مقام اشاعت :- B-25 گلبرگ 2 - لاہور۔ 54660

فہرست مشمولات

لمعات	ادارہ	2
از مکافات عمل غافل مشو	محمد عمر دراز	5
حج	علامہ غلام احمد پرویزؒ	11
فکر پرویزؒ کی اصل قدر و قیمت	ابو منیب راشد	16
قربانی	علامہ غلام احمد پرویزؒ	29
کوپن ہیگن کانفرنس	بشیر احمد عابد (کویت)	32
عید الاضحیٰ	علامہ اسلم جیراجپوریؒ	45
نقد و نظر	محمد ارشاد (مری)	49
غیر مذہبی باتیں	منظور احمد (ناروے)	52
حقائق و عبر	ادارہ	55
لے ڈوبی خود اپنی ہی انا شیخ حرم کو	علی محمد چدھڑ	57
جشن نزول قرآن	ادارہ	69
ISLAM THE ONLY WAY	Imran Khan	80

جلد 48 — شمارہ 5 — مئی 1995ء

بدل اشتراک

اندرون ملک سالانہ 120 روپے

ایشیا، افریقہ، یورپ 550 روپے

آسٹریلیا، امریکہ، کینیڈا 750 روپے

فی پرچہ =/10 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

شرفِ انسانیت کا قتلِ عام

قرآن کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ جرم ثابت ہونے سے پہلے' ہر شخص کو بے گناہ سمجھا جائے اور جس کے خلاف کوئی الزام لگے' اس کے متعلق عام معاشرہ کا ردِ عمل (First - Reaction) یہ ہونا چاہئے کہ وہ کہیں کہ **هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ** (24/12) اور **هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ** (24/16) یعنی معاشرہ کو چاہئے کہ وہ اس کے متعلق حُسنِ ظن سے کام لے اور کہے کہ یہ الزام' بہتان نظر آتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جس قرآن کا تصورِ عدل' ملزم کے متعلق بدظنی سے کام لینے کی اجازت بھی نہ دیتا ہو تو وہ ملزم کو کسی قسم کی اذیت پہنچانے کی اجازت کیونکر دے گا؟

قرآنی حکمرانی کی دعویدار اس مملکت میں ہوتا کیا ہے؟ اُسے سمجھنے کے لئے تھوڑی دیر کے لئے تصور میں لائیے کہ ایک شخص اپنے گھر میں (بال بچوں میں) اپنے معیار کے مطابق آرام سے بیٹھا ہے کہ اتنے میں اسے ایک شبہ کی بنا پر گرفتار کر کے حوالات میں بند کر دیا جاتا ہے-- یہ حوالات کیا ہے؟ ایک کوٹھڑی' جس میں زندگی کی تمام ضروریات مفقود اور ہر قسم کا سامانِ اذیت موجود ہوتا ہے۔ شدت کی گرمی میں' یہ کوٹھڑی بھٹی کی طرح تپتی ہے (اور سردی میں یخ خانہ کی طرح ٹھنڈی ہوتی ہے)۔ وہاں زمین پر دو چار بوسیدہ سے غلیظ اور کثیف کمبل' جو قسم قسم کے جراثیم سے بھرے ہوتے ہیں' پڑے رہتے ہیں۔ اس میں نہ پینے کا پانی ہوتا ہے نہ ضروریات سے فراغت کے لئے کوئی الگ انتظام--- وہیں ایک کونے میں کوئی ٹین سا رکھ دیا جاتا ہے۔ یہ کوٹھڑی کتنے انسانوں کے لئے بنائی گئی تھی اور اس میں کتنے ٹھونس دیئے جاتے ہیں اس کا کوئی حساب و شمار ہی نہیں۔ ان میں سے کتنے شدید قسم کے متعدی امراض میں مبتلا ہوتے ہیں' اس کا بھی کسی کو خیال نہیں ہوتا۔ اور اس کے ساتھ ہماری پولیس کی بدنام زمانہ چھترپریڈ جس کا انحصار سنگینیٔ الزام سے زیادہ مدعی کے مالی' سماجی یا سیاسی دبدبے اور ملزم کی جیب پر ہوتا ہے۔

یہ ہے وہ کوٹھڑی جس میں اس انسان کو لا کر بند کر دیا جاتا ہے جسے ابھی ابھی زندگی کی تمام آسائشیں میسر تھیں۔ معلوم نہیں اسے کتنے دن اور کتنی راتیں اس میں بسر کرنی پڑتی ہیں کہ اس کے بعد عدالت اسے بے گناہ قرار دے کر بری کر دیتی ہے۔ آپ سوچئے کہ اس بے گناہ شریف آدمی کو جو اس قدر اذیت پہنچی' وہ کس جرم کی پاداش میں تھی؟ یہ اذیت کس قدر شدید ہوتی ہے' اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ (سنا گیا ہے

کئی کئی بے گناہ ملزم' اقبالِ جرم کر لیتے ہیں' کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس اذیت کے مقابلہ میں قید کی سزا کہیں بہتر ہوتی ہے--- وہاں قاعدے کی رُو سے' اے اور بی کلاس بھی مل جاتی ہے' لیکن حوالات میں سب ایک ہی کلاس میں ہوتے ہیں۔ بعض ملزموں کے متعلق جو دیکھا جاتا ہے کہ انہوں نے حوالات میں خودکشی کی کوشش کی' یا دروازے کی آہنی سلاخوں سے مار مار کر اپنا سر پھوڑ لیا' تو اس کی بیشتر وجہ وہ ناقابلِ برداشت اذیت ہوتی ہے جو انہیں حوالات میں پہنچتی ہے۔ اس سے ان کا دماغی توازن اس قدر بگڑتا ہے کہ وہ کبھی قیدیوں کو لے جانے والی گاڑی کے دروازے اور کھڑکیاں توڑ پھوڑ دیتے ہیں' کبھی ہتھکڑیوں سے اپنے سپاہیوں پر حملہ کر دیتے ہیں۔ کبھی دوبارہ کوٹھڑی میں داخل ہونے سے انکار کر کے سرکشی اختیار کر لیتے ہیں۔

اس حقیقت کو پھر ذہن میں رکھئے کہ یہ مُلزم ہیں۔ مجرم نہیں ہیں۔ ان میں سے کتنے وہ ہیں جو بے گناہ ہیں اور عدالت سے بری ہو جائیں گے۔ (واضح رہے کہ ہمارے ہاں عام طور پر سَو میں سے ستر ملزم عدالتوں سے بری قرار پاتے ہیں۔ یعنی ہر دس ملزموں میں سے جو ان کوٹھڑیوں میں بند ہوتے ہیں' سات بے گناہ ہوتے ہیں اور باقی تین بھی وہ ہوتے ہیں جن کی سزا عدالت کے فیصلہ کے بعد شروع ہوتی ہے) ان بے گناہوں کو حوالات میں وہ سزا ملتی ہے جو مجرموں کو جیل میں بھی نہیں دی جاتی--- آپ سوچئے کہ یہ چیز (قرآن تو خیر بہت بلند ضابطۂ عدل دیتا ہے) عام عدل اور انسانیت کی رُو سے بھی کسی طرح جائز قرار پا سکتی ہے؟

ہمارا یہ نظام جس میں ملزموں پر (ان کے مجرم ثابت ہونے سے پہلے ہی) یہ قیامت ٹوٹتی ہے' یکسر خلافِ قرآن اور خلافِ تکریمِ انسانیت ہے جس کا خمیازہ معاشرہ کو بھگتنا پڑے گا--- بھگتنا پڑے گا کیا؟ وہ ایک حد تک اس وقت بھی بھگت رہا ہے۔ جس بے گناہ پر حوالات میں یہ کچھ بیتتی ہے اس کے دل سے قانون اور عدل کا احترام اُٹھ جاتا ہے اور اس کے سینے میں حکومت کے خلاف انتقام کے جذبات پرورش پانے لگ جاتے ہیں۔ معاشرہ میں ایسے افراد کا وجود' جو کل تک نہایت پُرامن شہری اور مملکت کے وفا شعار رعایا تھے' لیکن اب ان کا سینہ اس قسم کے جذبات کی آماجگاہ بن رہا ہے' معاشرہ کے لئے کوئی اچھا شگون نہیں رکھتا۔ ملک میں لاقانونیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکا جا سکتا ہے اگر جرائم کی تفتیش کرتے وقت پولیس تکریمِ آدمیت کے بنیادی حق کو ملحوظ رکھنے کی پابند ہو اور مجسٹریٹ حضرات ریمانڈ دیتے وقت یقین کریں کہ ملزم جسے حوالات میں بند کیا جا رہا ہے' کے خلاف خاطر خواہ ثبوت موجود ہے۔ اسی طرح تھانوں کی اصلاح اور پولیس کو فعال بنانے پر جہاں ہر سال کروڑوں روپے صرف کئے جاتے ہیں' وہاں کچھ رقم حوالاتوں کی حالت بہتر بنانے پر بھی صرف کر دی جائے تو حالات میں بہتری کی توقع کی جا سکتی ہے۔ یہ درست ہے کہ حوالات

میں بستر فراہم کرنا تو ممکن نہ ہو گا لیکن ہر حوالات کے ساتھ ایک بیت الخلا فراہم کر کے ملزمان کو بدبو، جراثیم اور بے پردگی کے کرب سے تو یقیناً محفوظ کیا جا سکتا ہے۔

ہم اکابرینِ ملت، نمائندگانِ قوم اور علماء کرام سے گذارش کریں گے کہ وہ ان قوانین یا اس روش کے خلاف مؤثر آواز اٹھائیں تاکہ جب تک عدالت کی طرف سے کسی ملزم کو مجرم قرار دے کر سزا نہ ملے، اسے حوالات یا جوڈیشل جیل میں ایسی حالت میں ہرگز نہ رکھا جائے جس سے اسے اذیت پہنچے یا اس کے شرفِ انسانیت کی تذلیل ہو۔ مدعی خواہ کتنا ہی صاحب اثر و رسوخ ہو ملزموں کو کسی صورت میں بھی انسانی حقوق سے محروم نہیں کیا جانا چاہئے۔ ایسا ملک یا ایسی حکومت جو کسی شہری کو عزتِ نفس تک کے تحفظ کی ضمانت بھی فراہم نہ کر سکے، اسلامی تو کیا مہذب کہلانے کا حق بھی نہیں رکھتی۔

کراچی صدر اور حیدر آباد (قاسم آباد) سندھ میں

سلسلہ وار درسِ قرآنِ کریم کا اہتمام (بذریعہ ویڈیو کیسٹ) مندرجہ ذیل مقامات پر کیا گیا ہے۔

شہر و مقام		دن	وقت
کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال۔ زیب النساء اسٹریٹ بالمقابل فٹ رائٹ شوز شاپ	جمعتہ المبارک	10 بجے صبح
حیدر آباد	12-B حیدر آباد ٹاؤن فیز 2 بالمقابل نسیم نگر قاسم آباد	جمعتہ المبارک بعد نماز عصر	

دعوت عام ہے تشریف لائیں

قرآنی لٹریچر۔ جملہ مطبوعات طلوعِ اسلام ٹرسٹ، مجلّہ طلوعِ اسلام کے تازہ شمارے درس کے دوران 35% رعایت کے ساتھ حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

رابطہ :

ایاز حسین انصاری نمائندہ بزم طلوع اسلام کراچی صدر، بزم طلوع اسلام قاسم آباد حیدر آباد (سندھ)
ٹیلی فون : کراچی 4571919 حیدر آباد 654906

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

از مکافاتِ عمل غافل مشو

اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ ○ 89/14

"تیرے ربّ (کا قانونِ مکافات عمل) ہر وقت (تمہاری) گھات میں رہتا ہے"۔

(مملکتِ پاکستان کے سیاست دانوں کے لئے لمحۂ فکریہ)

قرآنِ کریم نے سورۃ الفجر میں، اپنے زمانے کی بلند ترین اقوام کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

i- کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے قومِ عاد کا کیسا حشر کیا۔ وہ قومِ عاد جو بڑی بڑی عمارتیں بناتے اور بلند یادگاریں تعمیر کرتی تھی، اسے ہم عصر اقوام میں بے مثل و بے نظیر مقام حاصل تھا۔ اس جیسی اور کوئی قوم نہیں ہوئی۔

ii- اور قومِ ثمود کا، جو پہاڑوں کے گوشوں میں محکم قلعے تعمیر کرتی تھی۔

iii- اور بڑی قوتوں کے مالک فرعون کا انجام، جس کے مملکت میں کھونٹے گڑے ہوئے تھے"۔

اس کے بعد کہا گیا ہے کہ ان لوگوں نے ملک میں سرکشی اختیار کر رکھی تھی اور فساد انگیزیوں میں حدود فراموش ہو گئے تھے۔

تو اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ تیرے ربّ (کے قانونِ مکافات عمل) نے ان پر طرح طرح کے عذاب مسلط کیے۔ اس لئے کہ تیرا ربّ (کا قانون مکافاتِ عمل) ہمہ وقت ہر ایک کی گھات میں رہتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ جب انسان وحی کی روشنی سے منہ موڑ لیتا ہے اور عقل و فکر سے کام لینا چھوڑ دیتا ہے، تو قانون کا تصور ہی اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ قانون کے تصور سے مراد یہ ہوتا ہے کہ انسان کو جو کچھ پیش آتا ہے، وہ اس کے کسی نہ کسی انفرادی یا اجتماعی عمل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جب یہ حقیقت پیشِ نظر نہ رہے تو وہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے، یونہی اتفاقی طور پر ہو جاتا ہے۔ اس کی اس غلط نگہی کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اقتدار کی بدمستیوں اور قوت کے نشہ میں اس قدر

حدود فراموش ہو جاتا ہے کہ خدا کی مخلوق اس سے پناہ مانگتی ہے۔ تب اللہ (کا قانون مکافاتِ عمل) جو ہر وقت' ہر کسی کی گھات میں لگا رہتا ہے' حرکت میں آتا ہے اور ان پر اس طرح کا عذاب مسلط کرتا ہے کہ ان کے تختے اُلٹ جاتے ہیں اور ان کا سارا نظام تہ و بالا ہو جاتا ہے۔ قرآنِ کریم اس حقیقت پر شاہد ہے کہ ایسا (ظلم) کرنے والے انسان' اللہ کے قانون کی محکم گرفت سے کبھی نہیں بچ سکتے (85/14) اور آخر الامر وہ تباہ ہو جاتے ہیں۔ اور جب ایسا ہوتا ہے تو نہ وہ اس انجام سے بچ سکتے ہیں جن کے اعمال کی وجہ سے یہ عذاب آتا ہے اور نہ ہی وہ بے کس و مظلوم عوام' جن پر یہ صاحبانِ اقتدار اپنی مشق ستم کرتے ہیں۔ کیونکہ ان صاحبانِ اقتدار کو کرسئ اقتدار پر بٹھانے والے بھی تو یہی عوام ہوتے ہیں۔

قرآنِ کریم نے لیڈروں (رہنمایانِ قوم) اور عوام کے اس مکالمے کا بھی ذکر کیا ہے جو ان کے درمیان' اس وقت ہو گا جب اللہ کی طرف سے ان کے اعمال کی سزا دینے کا وقت آجائے گا۔ ارشاد ربانی ہے۔

i- **وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ○ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ○** (33:67-68)

"اس وقت ان کے عوام کہیں گے کہ ہمارے نشوونما دینے والے (ربّ)! ہم نے اپنے ان لیڈروں کی' جو ہم میں بڑے بنے ہوئے تھے' اطاعت کی تو انہوں نے ہمیں زندگی کے صحیح راستے سے بھکا دیا۔ لہٰذا اے ہمارے پروردگار! تو انہیں دوہری سزا دے اور انہیں زندگی کی خوشگواریوں سے محروم رکھ کہ ان تک کچھ بھی پہنچنے نہ پائے (ان پر بڑی لعنت بھیج)۔"

ii- **قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ○ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ○** (26:96-100)

(جہنم میں داخلے کے وقت) وہاں وہ (لیڈر اور ان کے متبعین) ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہوں گے۔ متبعین اپنے لیڈروں سے کہیں گے کہ خدا کی قسم! ہم جو تمہارے پیچھے لگ گئے' تو ہم نے بڑا ہی غلط راستہ اختیار کیا۔ (ہماری اس سے بڑی گمراہی اور کیا ہو گی کہ) ہم تمہیں (اپنا اَن داتا' رازق سمجھتے تھے اور اس طرح تمہیں) ربّ العالمین کا درجہ دیتے تھے۔ (تم رزق کے سرچشموں کو اپنے ہاتھ میں لے کر' اور لوگوں کی عقل و فکر کو ماؤف کر کے انہیں مجبور کر دیتے تھے کہ وہ تمہارے پیچھے چلیں) تم سخت مجرم تھے جنہوں نے ہمیں اس طرح غلط راستہ پر ڈال دیا۔ (آج پتا چلا کہ تم جو کہا کرتے تھے کہ ہم تمہارے سچے غم خوار اور دوست ہیں اور ہر مصیبت میں تمہارا ساتھ دیں گے' وہ کس قدر غلط تھا)۔ اب کوئی ایسا نہیں' جو اس مصیبت میں ہمارے ساتھ کھڑا ہو"۔

صرف لیڈران اور ان کے متبعین ہی نہیں بلکہ وہ قومیں جو اپنے سے (عُرفِ عام میں) ترقی یافتہ قوموں کی بلا سوچے سمجھے اندھے ہو کر' تقلید کرتی ہیں اور ان کی تمام تر برائیوں کو اپنا کر غلط راستہ پر چلتی ہیں' ان کے باہمی مکالمات بھی اسی طرح قرآنِ کریم نے اپنے دامن میں اس لئے محفوظ کر رکھے ہیں کہ ہم ان سے سبق لیں اور اپنے آپ کو اس انجام سے بچانے کی فکر کریں جو ان سوختہ بخت اقوام کا ہوا تھا۔ قرآنی شہادت ملاحظہ فرمائیں۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓی اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ○ (7/38)

"ایسی قوموں سے کہا جائے گا کہ اب تم بھی ان مہذب اور غیر مہذب قوموں کے زمرے میں شامل ہو جاؤ جو' اس سے پہلے' قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کر کے تباہ و برباد ہو چکی ہیں!

قوموں کی حالت بھی عجیب ہے! ایک قوم دوسری کی تقلید کرتی ہے' لیکن جب کچھ دیر بعد یہ بھی اُسی گڑھے میں جا گرتی ہے جس میں پہلی قوم گری تھی تو یہ (بعد میں آنے والی قوم) پہلی قوم کو مطعون کرنے لگ جاتی ہے کہ اس کی وجہ سے اس کا بھی ایسا ہی حشر ہوا۔ اس طرح قومیں تباہی کے جہنم میں اکٹھی ہوتی رہتی ہیں (تاریخِ اقوام اس پر شاہد ہے) بعد میں آنے والی قومیں ہمیشہ' پیش رَو قوموں کو مُوردِ الزام قرار دیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اے ہمارے ربّ! ان قوموں نے ہمیں بھی گمراہ کر دیا تھا' اس لئے انہیں دوگنا عذاب دینا (ایک عذاب ان کی اپنی گمراہی کی وجہ سے اور دوسرا' اس لئے کہ انہوں نے ہمیں بھی گمراہ کیا)۔ انہیں جواب ملتا ہے کہ تم سب کو دوگنا عذاب ملے گا۔ (گمراہ کرنے والوں کو' گمراہ کرنے کی وجہ سے اور گمراہ ہونے والوں کو اس لئے کہ انہوں نے اپنی عقل و بصیرت سے کام لینے کی بجائے' ان کی اندھی تقلید کیوں کی۔ نیز اس لئے بھی کہ یہ بھی تو بعد میں آنے والی قوموں کے لئے گمراہی کا موجب بنی تھیں)۔"

اس پس منظر کے بعد یہ سمجھنا قطعاً" دشوار نہیں رہ جاتا کہ کوئی قوم خواہ کتنی ہی دولت و حشمت' اختیارات و اقتدار' قوت و اسباب' عقل و فکر اور علم و ہنر کی مالک کیوں نہ بن جائے۔ (اور بلا شبہ اسے یہ سب کچھ اللہ کے طبعی قوانین پر عمل کرنے سے ہی حاصل ہوتا ہے) جب بھی' انسانی زندگی کے معاملات میں اس نے قوانین و اقدارِ خداوندی کا دامن چھوڑا اور اپنی ہُنرمندیوں اور دولت و طاقت کے گھمنڈ میں سرکشی اختیار کرتے ہوئے' باقی انسانیت کا عرصۂ حیات تنگ کیا تو اللہ (کا قانونِ مکافاتِ عمل جو ہمیشہ ان کی گھات میں لگا رہتا ہے) حرکت میں آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کا وہ حشر ہوا کہ وہ بعد میں آنے والوں کے لئے نامۂ عبرت

بن کر رہ گئیں۔ ذرا کوشش کر کے ان اقوام کا نشان تو ڈھونڈئے جو اپنے اپنے وقت میں ایسے ایسے عروج و اقتدار کی مالک تھیں کہ قرآن کے الفاظ میں "پھر کوئی ان جیسا نہیں ہوا"۔

اب اپنے ہاں آیئے اور اپنے احوال و ظروف پر ایک نظر ڈالئے۔ مملکتِ پاکستان کا حصول' بانیانِ پاکستان کے ان وعدوں کے صدقہ میں ممکن ہوا کہ بارِ الٰہا اگر تو ہماری' اس مملکت کے حصول کی کوششوں کو پذیرائی عطا فرمائے اور ہمیں یہ مملکت مل جائے تو ہم اس میں تیرا عطا کردہ نظام قائم کریں گے۔ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد' ہمارا وہ بطلِ جلیلؒ ہم سے جدا ہو گیا جس کے بے مثال اور بے داغ ذاتی کردار' انتہا کو پہنچی ہوئی قانون پسندی اور اپنے مقصد کی حقانیت پر کوہ آسا ایمان' ہمارے سفینۂ حیات کو' ہندی سیاست کی تمام تر طوفان آفرینیوں اور سیلاب سامانیوں کے بھنور سے صحیح و سالم ساحلِ مراد تک لے آیا تھا۔ ہماری تاریخ اس پر گواہ ہے کہ اس مملکت کے نظام کا مجوّزہ نقشہ جس وضاحت اور فصاحت سے اس کے ذہنِ رسا پر مرتسم تھا' کوئی اور سیاست دان اس کے قریب تک نہیں پھٹک سکا۔ اس کے جانے کی دیر تھی کہ فراعنہ' ہامانان اور قارونانِ وقت آگے بڑھے اور اپنی ذاتی مفاد پرستیوں کے تحفّظ کے لئے' آہستہ آہستہ قوم کے ذہن سے ان نظریات کو محو کرنے کے منصوبوں پر عمل درآمد شروع کر دیا' جن کی بدولت پاکستان اور اہلِ پاکستان آزاد قوموں کی صف میں متعارف و متوارد ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ السّابقون الاوّلون کی اس جماعت کے افراد بھی اللہ کے طبعی قوانین کے مطابق' ہم سے بچھڑتے چلے گئے اور اب ان میں سے شاید ہی کوئی زندہ ہو۔

ان ہر دو کیفیات کا لازمی نتیجہ تھا کہ نئی نسل کے قلوب و اذہان' اُن حیات بخش نقوش و افکار سے ناآشنا ہوتے چلے گئے جو ہمارا سرمایۂ حیات تھے اور آج یہ نوجوان جنہیں اغراض و مقاصدِ پاکستان کا امین بن کر ملک و قوم کی باگ ڈور سنبھالنا تھی' بے باک ہو کر یہ سوال کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں نے پاکستان بنا کر کون سا بڑا کارنامہ انجام دیا تھا۔ اور یہ سب صرف اس لئے ہو رہا ہے کہ ہم نے ان کی تعلیم و تربیت کا ایسا کوئی انتظام نہیں کیا جس سے وہ اقدار ان کے دلوں میں جاگزیں ہوتیں جن کو عملی پیکروں میں ڈھال کر یہ مملکت اپنے ہاں قرآن کا وہ نظام نافذ کر سکتی جس کا نفاذ اس کی تخلیق کے تقاضے پورے کرتا اور جس کی ثمر باریوں سے یہ مملکت جنّتِ ارضی بن کر' اقوامِ عالم کو اپنے ہاں بھی یہی نظام نافذ کرنے کے لئے دعوتِ عمل دیتی۔

وائے حسرتا کہ یہ کچھ نہ ہو سکا اور اس کے برعکس طاغوتی قوتیں' ہمیں کبھی سرمایہ دارانہ اور کبھی سوشلزم کے اعصاب شکن نظام ہائے حیات کے شکنجوں میں جکڑتے چلی گئیں۔ سیاست دان اپنی بے پناہ دولت اور اس کے بل بوتے پر حاصل کئے گئے وسیع حلقہ ہائے اثر و نفوذ کی وجہ سے اقتدار کے ایوانوں میں

پہنچے ہیں' اس لئے ان کی تمام تر کوششیں صرف ان ہی دو مقاصد کو حاصل کرنے اور انہیں قائم و دائم رکھنے پر صرف ہوتی ہیں کہ اولاً" اس سسٹم کو برقرار رکھا جائے جو انہیں ہمیشہ اقتدار تک لے جاتا ہے اور ثانیاً" ان تمام قوتوں کو جو' ان کی نظر میں' اس نظام کے لئے خطرہ بن سکتی ہیں' اس طور پر اپنا زیردست بنایا جائے کہ ان میں ہر طرح کی قوت مدافعت کا خاتمہ ہو جائے۔

چونکہ ہمارے سیاست دانوں کے سامنے قانون کا کوئی تصور ہی نہیں رہا۔ اس لئے ان میں سے کسی کو بھی یہ خوف کبھی نہیں ستاتا کہ ان کے اعمال کے جو بدیہی نتائج سامنے آنے والے ہیں' وہ ان کے اپنے لئے اور افراد و مملکتِ پاکستان کے لئے کس قدر تباہ کن ثابت ہوں گے۔ انہوں نے کبھی یہ سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اگر اس کے نتیجہ میں (خاکم بدہن) یہ مملکت ہی نہ رہی تو پھر یہ لوگ کس پر اپنی حکمرانی چلائیں گے اور خود ان کا اپنا کیا حال ہو گا؟

ان میں سے کسی کے سامنے (بظاہر) نہ تو اللہ تعالیٰ کا وہ تصوّر ہے جو اس نے اپنے متعلق قرآنِ کریم میں دیا ہے اور نہ ہی اس قادرِ مطلق کے قانون کی کارفرمائی سے انہیں کوئی آشنائی ہے جس کے دائرہ کار سے باہر نکل جانا ممکن ہی نہیں۔ اس حکمرانِ حقیقی نے یہ کہہ رکھا ہے کہ :

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ (45/22)

"اللہ نے ارض و سماوات (سلسلۂ کائنات) تعمیری نتائج کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ ہر شخص کے اعمال کا ٹھیک ٹھیک نتیجہ برآمد ہو جائے اور کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہ ہو"۔

لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے اس بات کا انتظام کر رکھا ہے کہ کسی انسان کا کوئی عمل بے نتیجہ نہ رہے تو یہ لوگ (ہمارے سیاست دان) کس برتے پر اس زعم میں مبتلا ہیں کہ یہ جو جی میں آئے کریں' ان کے لئے خیر ہی خیر ہے' ان سے کوئی باز پرس کر ہی نہیں سکتا۔

اور ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہہ رکھا ہے کہ ہمارے قانون کی ہمہ گیری کا یہ عالم ہے کہ یہ ہر وقت' ہر کسی کی گھات میں لگا رہتا ہے۔

قرآنِ کریم میں بیان کردہ ان حقائق کی روشنی میں ہم' صاحبانِ اقتدار اور اقتدار سے باہر' حزبِ مخالف کے' سیاست دانوں سے یہ سوال کرنا چاہیں گے کہ کیا یہ لوگ فی الواقعہ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی طاقت ان کی بے لگام اور بے منزل سیاست پر ان کی گرفت نہیں کر سکتی۔ اگر یہ ایسا سمجھتے ہیں تو یہ براہِ راست اللہ کے قانون کو چیلنج کرنے اور اس کی تکذیب کرنے کے مترادف ہے۔

کاش یہ لوگ۔ اللہ پر ایمان کے زبانی دعووں کے ساتھ ساتھ' اس کے اِس قانون پر بھی ایمان رکھتے کہ وہ کسی انسان کا ذرہ برابر عمل بھی بے نتیجہ نہیں رہنے دیتا اور پھر اس قانون کی ہمہ گیری کے پیشِ نظر' یہ اپنے اعمال و افعال کو قرآنِ کریم کے مقرر کردہ قوانین و اقدار کے تابع لے آتے۔ اگر یہ ایسا کر لیں تو نہ صرف یہ کہ ان کا (درخشندہ) حال مستقل ہو جاتا بلکہ یہ مستقبل کی سرفرازیوں اور کامرانیوں کے حقدار بھی ہو جاتے۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ پوری قوم اور مملکت کو بھی ان بلندیوں تک لے جاتے جس کا وعدہ' سب سے سچّا وعدہ کرنے والے ربّ نے ان الفاظ میں کر رکھا ہے کہ

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (3/139)

ہمارے سامنے کامیابیوں اور کامرانیوں کا یہی ایک راستہ ہے۔ اس کے برعکس ہم جو کچھ بھی کر رہے ہیں یا کریں گے' وہ ان وعدوں سے انحراف ہو گا جو بانیانِ پاکستان نے اس مملکت کے قیام کے لئے اللہ سے کئے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے کئے گئے وعدوں سے انحراف کے کچھ نتائج تو ہم باہمی انتشار و مناقشت اور قومی سطح پر معاشی بدحالی کی موجودہ صورتِ احوال کی شکل میں بھگت ہی رہے ہیں لیکن اگر ہماری یہ روش کچھ اور عرصہ اسی طرح جاری رہی اور اپنے زمانہ کے فراعنہ (سیاست دانوں)' ہامانوں (مذہبی پیشواؤں) اور قارونوں (سرمایہ داروں) کو یونہی کھلی چھٹی ملی رہی تو ان کے اعمال اور ہماری بے حسی کے نتیجہ میں جو تباہی اور بربادی' اللہ کا قانون ہمارے مقدر میں لکھے گا' اس کے تصور تک سے دلوں میں زلزلہ آجانا چاہئے اس لئے کہ

"اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ"

اور اس کا وعدہ ہے کہ

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ○ (47/38)

اگر تم نے (اپنے وعدوں سے) روگردانی کی تو ہم تمہاری جگہ ایک دوسری قوم لے آئیں گے جو پھر تمہارے جیسی (ناعاقبت اندیش) نہیں ہو گی۔

ڈریئے اس وقت سے جب اللہ کی یہ وعید ہمارے حق میں پوری ہو جائے اور ہمارا نام و نشان تک باقی نہ رہے۔ ایسا وقت آنے سے پہلے اللہ کے قانون کی حفاظت میں آجایئے کیونکہ جب اللہ کا قانون کسی کو سزا دیتا ہے تو کوئی دوسرا اُس کا مددگار نہیں بن سکتا۔ (6:51)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

علامہ غلام احمد پرویزؒ

حج

مذہب کے متعلق عام طور پر سمجھا یہ جاتا ہے کہ وہ ایک فرد کی ذاتی اصلاح کا ذریعہ ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ افراد کی ذاتی اصلاح نہایت ضروری ہے' لیکن یہ اصلاح اصل مقصد نہیں۔ عمدہ گھڑی کے ہر پُرزہ کے لئے مضبوط اور درست ہونا ضروری ہے۔ لیکن اگر یہ پُرزے الگ تھلگ پڑے ہوں تو ان کی پائیداری اور مضبوطی کسی کام کی نہیں۔ یہی پُرزے جب ایک نظام کے ماتحت' ایک خاص ترتیب سے' ایک جگہ جمع کر دیئے جائیں تو ان میں سے ہر پُرزہ کی حرکت' دوسرے پُرزوں پر اثر انداز ہو گی اور اس طرح ان کی اس مجموعی حرکت کا جیتا جاگتا نتیجہ' محسوس شکل میں گھڑی کے ڈائل پر نمودار ہو جائے گا۔ اسلام افراد کی اصلاح سے ایک ایسی جماعت پیدا کرنا چاہتا ہے جو نظامِ انسانیت کو عدل پر چلا سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس نے ایک ایسا عملی پروگرام مرتب کر دیا ہے جس میں ہر قدم اُسی منزل کی طرف اٹھتا ہے۔ نماز کے لئے پانچ وقت کا اجتماع۔ تقویٰ۔ ضبطِ نفس۔ غیر اللہ کی محکومی سے انکار۔ اللہ کی حاکمیت کا اقرار۔ مرکزیت' اجتماعیت' اطاعتِ امام کا عملی مظاہرہ ہے۔ جمعہ کے اجتماع میں یہ دائرہ وسیع تر ہو جاتا ہے۔ عید کی تقریب پر اس کی حدود اور زیادہ پھیل جاتی ہیں اور بالآخر حج کے میدان میں اس کی وُسعتیں ساری دنیا کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہیں۔ رمضان المبارک کے پورے مہینے کی مشق و ریاضت کے بعد جب ذہنوں میں جِلا' دلوں میں تازگیٔ ایمان' نگاہوں میں مومنانہ فراست اور خون میں مجاہدانہ حرارت پیدا ہو گئی تو عید الفطر کے اجتماع میں ہر مقام سے ملتِ اسلامیہ کی نمائندگی کے لئے بہترین افراد کا انتخاب ہوا۔ مسلم نمائندوں کے یہ قافلے دنیا کے دُور دراز گوشوں سے جنگل' بیابان' کوہ اور دریا کے مرحلوں کو طے کرتے ہوئے۔ **مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ** اپنی بین الملّی کانفرنس میں شرکت کی غرض سے چاروں طرف سے ایک مرکز کی طرف سمٹے چلے آرہے ہیں۔ دنیا میں کوئی جماعت بلا مرکز قائم نہیں رہ سکتی۔ مسلمانوں کے فکر و نظر کا مرکز قرآن' اطاعت کا مرکز امیر اور اجتماعیت کا مرکز وہ بیت الحرام ہے جو ایک خدا کے ماننے والوں کے مورثِ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقدس ہاتھوں سے وجود میں آیا اور دنیا کے بتکدہ میں خدا کا پہلا گھر کہلایا۔ **اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ**

لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبَارَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ (3/95) بلا شبہ پہلا گھر جو تمام انسانوں کے لئے (بطور مرکز) بنایا گیا وہ یہی ہے جو مکہ میں ہے' برکت والا اور تمام دنیا کے لئے ہدائت کا سرچشمہ۔ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا۔ جو کوئی اس کے حدود میں داخل ہوا وہ امن اور حفاظت میں آگیا۔

اسلام دنیا میں جس نظام کو قائم کرنے کے لئے آیا ہے اس کی بناء اس اصول پر ہے کہ تمام انسان ایک برادری کے فرد ہیں۔ وہ ان تمام غیر فطری حد بندیوں کو توڑنے کے لئے آیا ہے جن سے انسانوں کی یہ برادری مختلف ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ نسل کا امتیاز' رنگ اور زبان کا امتیاز' جغرافیائی حدود کا امتیاز اس کے نزدیک سب غیر فطری حد بندیاں ہیں۔ اس لئے خدا کے اس گھر میں جب انسان جمع ہوں گے تو باطل کے ان امتیازات میں سے کوئی امتیاز باقی نہیں رہے گا۔ چینی' جاپانی' ہندی' افغانی' ایانی' تورانی' حبشی' افرنگی سب ایک ملت کی شکل میں اس عظیم الشّان حقیقت کا اعلان کرنے کے لئے جمع ہوں گے کہ

تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

یہی نہیں بلکہ مختلف قسم کے لباسوں سے جو اعلیٰ اور ادنیٰ کے امتیاز کی جھلک نمودار ہو سکتی ہے' اسلام نے اسے بھی رَوا نہیں رکھا اور حکم دیدیا کہ ارضِ حرم میں داخل ہونے سے پہلے سب ایک ایک بن سلی چادر میں لپٹے ہوئے حاضر ہوں۔ تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری۔ یہ ہے وہ وردی جو اس بین المِلّی کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کے لئے تجویز کی گئی ہے۔ یوں باطل کے ہر امتیاز کو مٹاتے۔ وحدت کے رنگ میں رنگے یہ قافلے چاروں طرف سے' اپنے مرکز کی طرف بڑھتے چلے آرہے ہیں۔ سب ایک آقا کے غلام' ایک حاکم کے محکوم' ایک قانون کے تابع' ایک نظام کے پابند' فقیرانہ لباس' ننگے سر' گدایانہ وضع' قلندرانہ ادائیں' سکندرانہ جلال' دنیا بھر کے آستانوں سے بے نیاز' مستانہ وار گذرتے ہوئے ایک کی چوکھٹ پر سر جھکانے کے لئے بیتاب' دل وفورِ شوق سے بے قرار' آنکھیں مۓ توحید سے نشہ بار' لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کہتے ہوئے یوں رواں دواں' جانبِ مرکز کھنچے چلے آرہے ہیں جیسے شہد کی مکھیاں' رنگ و بو کی فضاؤں کے جوہر اپنے سینوں میں بھر کر' سینکڑوں میل کی مسافت طے کر کے شام کے وقت اپنے چھتے کی طرف پروانہ وار اُڑتی چلی آرہی ہوں کہ اپنی محنتوں کا سرمایہ' تگ و دَو کا ماحصل' مرکز میں لا کر اکٹھا کر دیا جائے۔

زمانۂ ابراہیمی میں رواج تھا کہ عہد و پیمان کی پختگی کے لئے ایک پتھر پر ہاتھ مارتے تھے۔ جب ان رہروانِ منزلِ شوق کے قافلے حریمِ کعبہ میں پہنچے تو اس عہد و پیمان کی تجدید کے لئے جو انہوں نے اپنے اللہ سے باندھ رکھا ہے' حجرِ اسود کو چھوا۔ بعض نے ہجوم کی وجہ سے دُور ہی سے اشارہ کر دیا۔ کسی نے پیمان کے

..ی رعایت سے ہاتھ کو چوم لیا اور یوں اس عہد کی تجدید ہوئی کہ

إِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ○ (6/162)

میری نماز' میرا حج' میرا جینا' میرا مرنا' سب اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام کائنات کا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں خدا کے فرمانبرداروں میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔

اس عہد و پیمان کی تجدید سے' وجد و مسرت اور سرمستی و شیفتگی کی وہ کیفیت طاری ہوئی کہ والہانہ انداز میں خدا کے اس گھر کے گرد' پروانہ وار گھوم رہے ہیں۔ کوئی کعبہ کی چوکھٹ پر سر رکھے محوِ نیاز ہے۔ کوئی اس کا غلاف تھامے عالمِ وارفتگی میں جھولی پھیلائے کھڑا ہے۔ دل میں مقدس آرزوں کا ہجوم' آنکھوں میں چمکتے ہوئے آنسو' لب پر دعائیں' محویت کا عالم' آسمان سے نُور کی بارش' رحمتوں کا نزول' غرضیکہ ایک نئی دنیا اور ایک عجیب سماں ہے۔

خمخانۂ حجاز کے متوالوں کے یہ قافلے 8 تاریخ کو عرفات کے میدان کی طرف روانہ ہو گئے۔ پاک اور صاف' سر سے پاؤں تک للّٰہیت میں ڈوبے ہوئے۔ قدم وادیٔ مکہ میں' نگاہیں عرشِ معلّٰی پر' کوئی تیز گام' کوئی آہستہ خرام' کشاں کشاں' 9 تاریخ کو اس میدان میں آ جمع ہوئے۔ کیسا حسین نظارہ ہے۔ سب ایک آقا کے غلام' ایک ملت کے فرد ایک ہی وضع' ایک ہی انداز' بھائی سے بھائی ملا۔ ایک کا دوسرے سے تعارف ہوا کہ اس مقام کا نام ہی عرفات کا میدان ہے۔ اجتماع کیا ہے؟ مساوات اور محبت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے' جس میں ہر قطرہ اپنے آپ کو خود سمندر محسوس کرتا ہے۔ یہ سب خدا کے حضور جمع ہوئے ان کا منتخب امام منبرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیا۔ اس نے ملت کی اجتماعی حالت پر تبصرہ کیا۔ اور سال بھر کے لئے ایک مرتّب شدہ پروگرام کا اعلان کر دیا' جس کی تکمیل کے لئے دعائیں مانگی گئیں' التجائیں کی گئیں اور یوں یہ عظیم الشّان اجتماع' زندہ آرزوں کی ایک نئی دنیا اپنے جلو میں لئے دوسری صبح منیٰ کے میدان میں آگیا۔ یہی وہ میدان ہے جہاں ملّتِ حنیفہ کے پیشوائے اعظم' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو خدا کی راہ میں قربان کرنے کے لئے پیشانی کے بل لٹا دیا تھا۔ اور یوں اپنے ایمانِ محکم کا عملی ثبوت دیا تھا کہ تیرا حکم ہو تو عزیز ترین متاع بھی بلا تأمل نثار کر دی جا سکتی ہے۔ اس صحرائی قربان گاہ میں پہنچ کر ملّتِ اسلامیہ کے ان نمائندوں نے اس اقرار کو دہرایا کہ تیرا نام بلند کرنے کیلئے جو پروگرام مرتب ہوا ہے اس کی تکمیل میں جس قربانی کی ضرورت ہو گی بلا دریغ کر دی جائے گی۔ یہاں پہنچ کر مختلف ملکوں کے نمائندوں نے اپنے اپنے خیمے لگائے۔ یہ سب اللہ کے مہمان ہیں اس لئے خود ہی مہمان اور خود ہی میزبان ہیں۔ آج صبح ہندی مسلمانوں

کے ہاں سب کے کھانے کا انتظام ہے۔ شام کو ایرانیوں کا اہتمام ہے۔ ان دعوتوں کے لئے قربانیاں کی جا رہی ہیں۔ سامان تو کھانے پینے ہی کا ہے' لیکن چونکہ وہ مقصدِ عظیم جس کے لئے یہ اجتماع ہوا ہے خالصتہً اللہ کے لئے ہے اس لئے یہ دعوتیں بھی دنیا کی دعوتوں سے نرالی ہیں۔

لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰکِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ ط کَذٰلِکَ سَخَّرَهَا لَکُمْ ط لِتُکَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰلکُمْ وَ بَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ ○ (22/37)

اللہ تک ان قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا' بلکہ تمہارے دل کا تقویٰ' پاکیزگی مقصد پہنچتی ہے۔ اس نے ان جانوروں کو اس طرح تمہارے لئے مسخر کر دیا کہ تم اللہ کی رہنمائی پر اس کے نام کو بلند کرو' اور نیک کرداروں کے لئے بشارت ہے۔

دعوتیں اور ضیافتیں ہیں۔ ایک ملک کے مسلمان دوسرے ملک والوں کو اپنے مقامی حالات سے آگاہ کر رہے ہیں۔ دماغی اور قلبی تعارف ہو رہا ہے۔ اِدھر اُدھر مختلف ملکوں کی مصنوعات کی نمائش لگ رہی ہے' خرید و فروخت ہو رہی ہے۔ **لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ** (2/198)۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم (حج میں) اپنے رب کا فضل (یعنی معیشت) کماؤ۔ اس طرح یہ اجتماع ملت اسلامیہ کے لئے دینی اور دنیاوی' سیاسی' اقتصادی' معاشی' معاشرتی فوائد کا ذریعہ بن رہا ہے کہ حج کا مقصد یہی ہے **لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ**۔ (22/28) تاکہ لوگ اپنے فوائد کے لئے حاضر ہوں۔

تین دن یہ اجتماع رہا جس میں عالمِ اسلامی کے ہر گوشے اور ملّتِ اسلامیہ کے ہر شعبے کے متعلق باہمی تبادلۂ خیالات ہوا۔ اِدھر یہ ہو رہا ہے' اُدھر تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ملت کے افراد' اپنے اپنے ہاں وادئ مکہ کے اجتماع سے ہم آہنگی پیدا کرنے کیلئے عید گاہوں میں جمع ہو رہے ہیں۔ ہم آہنگی پیدا کرنے کیلئے' نیز اس پروگرام کو سننے کیلئے جس کا اعلان ایک دن پہلے میدانِ عرفات میں ہؤا ہے۔ اس پروگرام کی اطلاعیں ریڈیو اور تار برقی سے تمام عالمِ اسلامی تک پہنچ چکی ہیں۔ مقامی مسلمان عید گاہوں میں پہنچے' اپنے اپنے خطیبوں سے اس پروگرام کو سُن لیا اور سمجھ لیا جس پر اب سال بھر عمل کیا جائے گا۔ وہ تھا حج' یہ ہے عید۔ وہ فریضۂ مقدس جس میں نوع انسانی کے قیام و بقا کا راز ہے۔ تمام انسانوں کا اس لئے کہ مسلمان دنیا میں اپنے ہی لئے نہیں جیتا بلکہ اس کی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ تمام دنیا کو اس نظام پر چلائے جس سے انسانیت بڑھے' پھولے' پھلے' اور عروج و ارتقاء کی منزلیں طے کر کے اس منزل سے اگلی منزل میں جا پہنچے۔ حج اس نظام کی سب سے اہم کڑی اور کعبہ اس نظام کا مرکز ہے۔ **جَعَلَ اللّٰهُ الْکَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ** (5/97) اللہ نے کعبہ کو جو حُرمت کا گھر ہے تمام انسانوں کے لئے قیام کا ذریعہ بنایا ہے۔ انسانوں نے مختلف

خطوط پر مختلف قسم کی جمعیتیں بنا بنا اور بگاڑ بگاڑ کر مختلف تجربے حاصل کئے ہیں اور ہر تجربے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ــــــــ تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی ــــــــ یہ سب اس لئے کہ جن اصولوں پر یہ جمعیتیں بنائی گئیں وہ سب غیر فطری تھے۔ فطرت کے مطابق تو ایک ہی اصول ہے اور وہ یہ کہ انسانوں کی تقسیم ملکوں اور قوموں کی رُو سے نہ کی جائے بلکہ تمام انسانوں کو ایک عالمگیر برادری تصور کر کے انہیں ایک مرکز کے ماتحت، خدا کے قانون کے تابع رکھا جائے۔ یہی وہ عظیم الشّان اصول ہے جس کی رُو سے مکّہ کو **هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ** تمام دنیا کے لئے ہدایت کا سرچشمہ اور کعبہ کو **قِيَامًا لِّلنَّاسِ**، تمام نوعِ انسانی کے قیام کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ اس جمعیتِ آدم کا فطری نتیجہ ہے، دنیا کا امن و سکون **وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا**۔ جو اس میں داخل ہوا امن و حفاظت میں آگیا۔ حج اور عید اسی منزل کے نشان راہ ہیں۔

(علّامہ غلام احمد پرویزؒ کی ایک نشری تقریر)

ANNUAL SUBSCRIPTION 1995

FOR ASIA & EUROPE	SUBSCRIPTION	Rs. 120
	PACKING/POSTAGE	Rs. 430
	TOTAL	Rs. 550
FOR USA, CANADA, AUS	SUBSCRIPTION	Rs. 120
	PACKING/POSTAGE	Rs. 630
	TOTAL	Rs. 750

THE CHANGE IS DUE TO INCREASE IN THE RATE OF POSTAGE BY AIR

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ابو منیب راشد

فکرِ پرویزؒ کی اصل قدر و قیمت (3)

بجواب

پرویزؒ صاحب کی اصل غلطی

انکارِ سنت اور پرویزؒ صاحب آج کی نشست میں انکار و اقرارِ سنت یا مقامِ حدیث کے تعین کے حوالے سے گفتگو کرنا مطلوب ہے۔ لیکن یہ موضوع جس قدر اہمیت کا حامل ہے۔ اور اُمتِ اسلامیہ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے والے فرقوں یا بزعمِ خویش مکاتبِ فکر نے اس کے بارے میں جو افراط و تفریط روا رکھی ہوئی ہے' اس کا تقاضا ہے کہ اس موضوع پر کھل کر ذرا تفصیل سے گفتگو کی جائے۔ پھر اس حوالے سے ائمہ فقہ نے ماضی میں جو جو موقف اختیار کئے تھے اور جن کے اثرات کی چھاپ آج بھی ابنائے ملت کے قلوب و اذہان پر صاف دکھائی دے رہی ہے' اس پر بھی گفتگو کی جائے اور خود عصرِ حاضر میں مصوّرِ پاکستان جناب علّامہ محمد اقبالؒ نے اپنے خطبات میں جو موقف جن براہین و دلائل کی بنیاد پر دربارہ حدیث اختیار کیا تھا۔ اسے بھی زیرِ بحث لایا جائے۔ تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ حدیث کے باب میں جناب علّامہ غلام احمد پرویزؒ نے جو موقف اختیار کیا ہے۔ وہ اس میں تفرد و انحراف کا شکار ہوئے ہیں یا وقت کے قابلِ اعتماد اور ثقہ مفکرینِ اسلام اور ان کے ترجمان کی رائے بھی دربارہ حدیث وہی ہے جو علّامہ غلام احمد پرویزؒ صاحب کی ہے۔ ہم نے جہاں تک پرویزؒ صاحب کی کتب و مقالات اور تحاریر و تقاریر کا مطالعہ کیا ہے' اس کی بنیاد پر ہمارا دعویٰ ہے' کہ آپ نے کبھی بھی حدیث یا سنّت کا انکار نہیں کیا۔ انہوں نے حدیث کے حوالے سے جو بنیادی کتاب لکھی ہے۔ وہ بھی مقامِ حدیث کے عنوان پر لکھی ہے نہ کہ انکارِ حدیث کے عنوان سے۔ گویا وہ اس باب میں جو کچھ چاہتے ہیں وہ یہ کہ اس امر کا تعین کیا جائے کہ دراصل حدیث کا مقام و منصب ہے کیا؟ یعنی حدیث کتاب اللہ کے بعد ہے یا اس سے پہلے۔ حدیث کتاب اللہ پر حاکم اور اس کی ناسخ ہے یا اسے

کتاب اللہ کے ساتھ ایک ماتحت اور خادم کی حیثیت حاصل ہے۔ پرویزؒ صاحب کا نقطہ نظریہ ہے کہ حدیث کتاب اللہ کی نہ ناسخ ہے اور نہ ہی وہ ناسخ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ حدیث کے باب میں سب سے پہلا تو یہی سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس کی نسبت اِلیٰ الرسولؐ روایتاً" و درایتاً" ثابت بھی ہے یا کہ نہیں۔ جب کہ ناسخِ قرآن ہونے کا مقام و منصب تو خود رسولؐ اللہ کو بھی حاصل نہ تھا۔ وہ بھی بنفسِ نفیس اپنی حیاتِ طیبہ میں شروع سے لیکر آخر تک کتاب اللہ کے ماتحت اور اس کے تابع تھے دیکھئے (16-10/15 - 6/50)۔ تو جب رسولؐ اللہ خود ہی کتاب اللہ کے ماتحت اور اس کے تابع تھے، تو ان کی طرف منسوب وہ اقوال کہ جن کی نسبت کا تحقق ہی ایک متنازعہ فیہ امر ہے، انہیں ناسخِ کتاب اللہ کا مقام کیسے دیا جا سکتا ہے۔ پس حدیث ہو یا سنّت اس کا درجہ کتاب اللہ کے بعد کا ہے۔ وہ کتاب اللہ کے ماتحت ہے نہ کہ اس کے اُوپر۔ بعینہٖ یہی موقف پرویزؒ صاحب کا ہے۔ اورِ خود یہی موقف احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ اس حوالے سے بہت مشہور حدیث نبویؐ ہے۔ کہ جب رسول اکرمؐ نے جناب معاذؓ بن جبل کو یمن کا قاضی یا گورنر بنا کر بھیجنا چاہا تو آپؐ نے ان سے پوچھا کہ تم لوگوں کے مابین فیصلے کیسے کیا کرو گے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ اَقضیٰ بِکتَابِ اللہ۔ کہ میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کیا کروں گا۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ اِنْ لَم تَجِد۔ کہ اگر تجھے وہاں اس حوالے سے کچھ نہ ملے تو پھر کیا کرو گے۔ تو انہوں نے جواباً" عرض کیا کہ اقضی بسنت رسولہؐ۔ کہ تب میں سنت رسولؐ اللہ کی بنیاد پر فیصلے کیا کروں گا۔ پھر آپؐ نے پوچھا کہ فان لم تجد۔ کہ اگر تجھے وہاں بھی کچھ نہ ملے تو پھر کیا کرو گے۔ تو انہوں نے عرض کیا۔ کہ ثم اجتہد برایی۔ کہ پھر میں اس معاملے میں مزید غور و خوض کرونگا۔ اور اس کی بنیاد پر فیصلے کیا کرونگا۔ اسے سن کر رسولؐ اللہ نے اپنے قاضی کو دُعا دی اور وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے۔ کہ ان کی تعلیم و تربیت سے ایسا فہم اور ایسی بصیرت امت کے قاضیوں اور گورنروں کے قلوب واذہان میں راسخ ہو گئی ہے۔ یہ اور اس طرح کی مسلمہ نبویؐ احادیث سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہو جاتی ہے۔ کہ حدیث یا سنت کی ضرورت اس وقت پڑے گی جب ہمیں کسی مسئلہ میں کتاب اللہ سے اصولی طور پر نفیاً" یا اثباتاً" کوئی راہنمائی نہ مل سکے۔ لیکن اگر کتاب اللہ سے کسی مسئلے یا عقیدے پر دو اور دو چار کی طرح واضح و دو ٹوک انداز میں راہنمائی مل رہی ہو تو اِس کے ہوتے ہوئے یا اسے نظر انداز کرتے ہوئے ایسی روایات کو اپنے سینوں کی زینت بنا لینا جو عصمتِ انبیاء کو بھی داغدار کرتی ہوں، محمدؐ رسولؐ اللہ والذین معہ کو بھی مخالفِ قرآن ثابت کرتی ہوں۔ جو امتِ اسلامیہ میں اختلاف و تفرقہ کا باعث بن رہی ہوں۔ جن کے ہوتے ہوئے امت کی صفوں میں اتحاد و وحدت کا پیدا کر سکنا محالات میں نظر آرہا ہو۔ پس ایسی احادیث کی نسبت الی الرسولؐ کو تسلیم نہ کرنا قطعاً" انکارِ سنت کے مترادف نہیں ہے۔ کہ جس کو بنیاد بنا کر محترم علامہ

غلام احمد پرویزؒ صاحب کو بدنام کرنے کے لئے صفحات سیاہ کر کے اپنے لئے رُو سیاہی کا سامان پیدا کر لیا جائے۔ ہم نے آغاز میں کہا ہے کہ یہ موضوع دورِ حاضر میں اپنے ماضی کی بہ نسبت کچھ زیادہ ہی اہمیت حاصل کر چکا ہے۔ لہٰذا اس کا تقاضا ہے۔ کہ اس پر ذرا تفصیل سے گفتگو کی جائے تاکہ اس باب میں علّامہ غلام احمد پرویزؒ صاحب نے جس مسلکِ اعتدال کی ترجمانی کی ہے۔ اس کی قدر و قیمت سے ہمارے قارئین ہی نہیں بلکہ ہمارے ناقدین بھی پوری طرح باخبر ہو سکیں۔ لیکن اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حدیث و سنت کی بحث کو جن بنیادوں پر اٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پہلے ہم ان کا جائزہ لینے کی کوشش کریں۔ لہٰذا ہم نے اس نشست کا آغاز اسوۂ رسولؐ اللہ اور اتباع و اطاعتِ رسولؐ اللہ جیسے بنیادی مباحث سے کرنا مناسب سمجھا ہے۔ کیونکہ اگر یہ ابتدائی گذارشات ہمارے قلوب و اذہان میں کلام اللہ کی بنیاد پر جڑ پکڑ گئیں تو سنت یا حدیث کے باب میں اگلے مباحث کو کماحقہ' طور پر سمجھ لینا کچھ مشکل نہیں رہے گا۔

اسوۂ رسولؐ اللہ اور قرآنِ حکیم جب کبھی حدیث یا سنت کے موضوع پر گفتگو کی جاتی ہے تو فوراً اہلِ روایات اسوۂ رسولؐ اللہ کی بحث کو درمیان میں لے آتے ہیں۔ احادیث و روایات کی حجیّتِ شرعیہ کو منوانے کے لئے وہ فوراً سوال کر دیتے ہیں۔ کہ بتایئے۔ آپ لوگ کیا رسولؐ اللہ کے اسوہ کے منکر ہیں۔ کیا قرآنِ حکیم میں اسوۂ رسولؐ اللہ کو اختیار کرنے یا اس پر چلنے کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں پابند نہیں ٹھہرایا ہے (33/21-22)۔ قرآنِ حکیم نے جب ہم کو رسولؐ اللہ کے اسوہ پر چلنے کا پابند ٹھہرایا ہے۔ تو اس صورت میں وہ اسوہ حاصل کرنے کے لئے کیا ہم بیرونِ قرآن جانے پر مکلف نہیں ٹھہرائے گئے۔ آیئے قرآن حکیم کی روشنی میں اس سوال کے جواب کو پانے کی کوشش کریں۔ اس سوال کا قرآنی جواب یہ ہے کہ اسوۂ رسولؐ اللہ کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں بیرونِ قرآن جانے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ اتباعِ قرآن ہی میں اتباعِ الرسولؐ اور ان کے اسوۂ حسنہ کی اتباع مضمر ہے۔ مثلاً قرآنِ حکیم میں رسولؐ اللہ کے حوالے سے بیان فرمایا گیا ہے کہ **اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَیَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ** (6/50) کہ میں صرف اس چیز کی اتباع کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے میری جانب وحی کی ہے۔ کہہ! کیا بھلا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتا ہے۔ کیا بھلا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ اور اس وحی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ **وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ** (6/19)۔ کہ جو کچھ مجھے بطور وحی عطا کیا گیا ہے۔ وہ تو یہ قرآن ہے۔ پس معلوم ہوا کہ محمدؐ رسول اللہ چونکہ وحیٔ قرآن کی اتباع کیا کرتے تھے۔ لہٰذا آپ کا نمونہ ہمارے لئے یہی ہے کہ ہم بھی آپ کی اتباع کرتے ہوئے قرآنِ پاک کی اتباع کرتے رہیں۔ باقی رہا یہ کہ آپؐ کا یہ اسوہ کُتب

رسالت کے حوالے سے ہے- اور آپ کی اتباع سے مراد کتبِ احادیث کی اتباع ہے' تو ہمارے نزدیک یہ تصور خلافِ قرآن ہونے کی وجہ سے قابلِ تسلیم نہیں ہے- یہ تصور کیسے خلافِ قرآن ہے- ہم اس کی وضاحت کیلئے چند ایک دلائل کا حوالہ دینا مناسب خیال کرتے ہیں-

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے اسوۃ رسولؐ اکرم کو لازم ٹھہرایا ہے (33/21)- اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کیلئے سیدنا ابراہیمؑ والذین معہ کا اسوۃ **حسنة** بھی لازم ٹھہرایا ہے- (60/4-5)- تو اب سوچنے والی بات یہ ہے کہ کیا ان کے اسوہ کو حاصل کرنے کیلئے ہمیں صحفِ ابراہیمؑ کو تلاش کرنا ہو گا اور اگر وہ اپنی صحیح و اصل حالت میں نہ مل سکیں (جس کا اب امکان ہے ہی نہیں) تو کیا اس صورت میں ہمیں از خود عن فلاں عن فلاں کے سلسلۂ اسناد سے اکٹھا کر کے ان کی اتباع کرنے کیلئے اپنے آپ کو مکلف ٹھہرانا ہو گا- بات بڑی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس جھنجھٹ میں نہیں ڈالا- سیدنا ابراہیمؑ والذین معہ کا جو اسوہ ہمارے لئے لازم تھا اللہ تعالیٰ نے متفرق مقامات پر اسے مختلف مناسبتوں سے کتاب اللہ میں ذکر کر دیا ہے- لہٰذا ان متعلقہ مقامات کو یکجا کر کے سیدنا ابراہیمؑ و والذین معہ کا وہ اسوہ اکٹھا ہو سکتا ہے اور اس کی اتباع ان کے اسوہ کی اتباع کہلائے گی- مثلاً دیکھئے (60/4)- میں جہاں اس اسوۃ کی اتباع کو بیان کیا ہے تو ساتھ ہی وہاں 'اذ' کے بعد لا کر اسے بیان کر دیا ہے یعنی فرمایا گیا ہے کہ وہ اسوہ یہ ہے- کہ جب انہوں نے اپنی جماعت کے ساتھ اہلِ کفر سے یوں اور یوں کہا یعنی جو کچھ انہوں نے کہا تھا اسے متعلقہ مقام پر اللہ تعالیٰ نے خود بیان کر دیا ہے- تاکہ اہلِ ایمان کو کتاب اللہ سے باہر جانے کی احتیاج محسوس نہ ہو- اور اس طرح کتاب اللہ کا استقلال اور اس کا خود مکتفی ہونے کا دعویٰ کسی حوالے سے بھی مجروح نہ ہو- مزید برآں قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے- کہ جو کچھ قرآن حکیم میں تمہیں تعلیم دی گئی ہے- یہی تعلیم سیدنا ابراہیمؑ اور سیدنا موسیٰؑ کے صحیفوں میں موجود تھی (87/19)- پس جب ہم قرآنِ پاک کی اتباع کرتے ہیں- تو ہم نہ صرف سیدنا ابراہیمؑ و سیدنا موسیٰؑ کی اتباع کے شرف سے بھی بہرہ ور ہو جاتے ہیں- بلکہ اس کے نتیجہ میں ان پر نازل ہونے والے صحیفوں کی اتباع کے مثبت و تعمیری نتائج و ثمرات سے بھی بہرہ ور ہو جاتے ہیں- لہٰذا سوچنے والی بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم کی اتباع کرنے سے ہمیں ان حضرات کے صحیفوں کی اتباع سے مستغنی کر دیا ہے- اور قرآن پاک کی موجودگی میں ہمیں ان حضرات کے ان صحیفوں کی کچھ حاجت نہیں رہتی- کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے خود نازل کیا تھا- اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے استقلال اور عدمِ احتیاج کو بڑے شد و مد سے ثابت کر دکھایا ہے- تو کیا اس کے بعد انسانوں کی جمع کردہ روایات کی کتاب اللہ' قرآنِ پاک کے بعد کچھ بھی حاجت و ضرورت باقی رہ جاتی ہے- نہیں اور ہرگز نہیں- پس جس کتاب

عظیم کی اتباع کرنے سے ہم صحف ابراہیمؑ و صحف موسیٰؑ کی تلاش سے بے نیاز کیے گئے ہیں۔ اس کتابِ عظیم کی موجودگی میں ہم یقیناً انسانی جدوجہد سے مرتب ہونے والی کتبِ روایات کے جمع و تدوین اور اس کی حفاظت و اتباع سے بھی یقیناً محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔

2- اسی طرح اس پر اس حوالے سے بھی غور کریں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں سیدنا نوحؑ سے لیکر سیدنا مسیحؑ ابن مریم تک کے انبیاء و رسل کا حوالہ دیکر ارشاد فرمایا ہے کہ **اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ** (6/90)۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت یافتہ قرار دیا پس آپؐ ان کی ہدایت کی پیروی کریں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان انبیاء کی پیروی کیسے کی جائے۔ کیا ان کی پیروی کرنے کیلئے ان کے صحیفوں کو تلاش کیا جائے یا ان کی طرف منسوب امتوں کے علمی وِرثہ اور ان کے علماء کی طرف رجوع کیا جائے۔ ظاہر بات ہے۔ کہ اگر یہ امت سابقہ امتوں کے علماء اور ان کے پاس موجود روایتوں کی تلاش میں نکل پڑے تو پھر یہ اپنی آخری کامل و مکمل کتاب کی کیا اتباع کرے گی۔ اور اس صورت میں کیا یہ **ایسی عظیم غلطی کی تقلید کرنے کی مرتکب** نہ ہو گی۔ اس لئے قرآنِ پاک کی اتباع کے بعد امت کو کسی **اور کتاب کی اتباع کی قطعاً کوئی بھی حاجت** نہیں رہتی۔ دلیل کیلئے اس امر پر غور فرمائیں یعنی اسی مقام (6/91) سے ذرا پہلے یوں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ **ذٰلِکَ ھُدَی اللّٰہِ یَھْدِیْ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ** (6/89)۔ یہی ہے اللہ تعالیٰ کی وہ ہدایت (ہدایتِ قرآن) کہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جسے اس کے مطابق پاتا ہے اسے ہدایت یافتہ قرار دے دیتا ہے۔ پس وہ ہدایتِ ابدی کہ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے سابق ادوار میں انبیاءؑ اور ان کی امتوں کو ہدایت دی تھی، وہ یہی قرآنی ہدایت تھی یہی قرآنی ہدایت سابق انبیاءؑ کے صحیفوں میں تھی۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ **اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرٰھِیْمَ وَ مُوْسٰی** (87/18-19)۔ بے شک یہی تعلیمات (قرآنی تعلیمات) پہلے صحیفوں میں بھی موجود تھیں جیسا کہ ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں۔ پھر سورۃ الشعراء میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ کہ **اَوَلَمْ یَکُنْ لَّھُمْ اٰیَۃً اَنْ یَّعْلَمَہٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ** (26/197)۔ اور کیا یہ ان کیلئے ایک بہت بڑا نشانِ صداقت نہیں کہ اسے (قرآن) بنی اسرائیل کے علماء بھی خوب جانتے ہیں۔ پھر سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہوا ہے کہ **وَقَالُوْا لَوْلَا یَاْتِیْنَا بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ اَوَلَمْ تَاْتِھِمْ بَیِّنَۃُ مَا فِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی** (20/133)۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ (رسولؐ) اپنے رب کی جانب سے کوئی نشان کیوں نہیں لایا۔ کیا بھلا ان کے پاس سابق صحیفوں کے نشانات و دلائل نہیں پہنچ گئے۔ غرضیکہ قرآنِ حکیم میں نہ صرف سابقہ صحیفوں کی وہ بنیادی اور مرکزی تعلیمات محفوظ کر دی گئی ہیں کہ جن کی نوعِ انسانی کو بالعموم اور امتِ مسلمہ کو بالخصوص ضرورت پڑ سکتی تھی۔ مزید برآں یہ کہ اس میں وہ

تمام دلائل بھی یکجا کر کے محفوظ کر دیئے گئے ہیں کہ جو متفرق اوقات میں مختلف اقوام کو انفرادی طور پر عطا کئے گئے تھے۔ تاکہ اس طرح یہ امت محمدیہ کہ جسے امتِ وسط ہونے کا مقام و منصب عطا کیا گیا ہے۔ وہ تمام اقوامِ عالم پر ان کی زبان میں اور ان کے مانوس دلائل کی بنیاد پر دعوت و تبلیغِ قرآن کے محاذ پر اتمامِ حجت کا فریضہ انجام دے سکے۔

3- مزید برآں یہ کہ آپ اس نکتہ پر بھی غور کریں کہ (6/91)- میں انبیاء اور رسل کی شخصی اتباع و اقتداء کا حکم نہیں دیا گیا- بلکہ اس ہدایت کی اتباع و اقتداء کا حکم دیا گیا ہے کہ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کی گئی تھی- جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ہے- کہ **اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰاھُمُ اقْتَدِہْ** (6/91)

- یہ وہ لوگ (مراد انبیاءؑ اور ان کی ہدایت یافتہ امتیں) ہیں- کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت یافتہ بنایا- پس آپؐ ان کی ہدایت کی اقتدا کرتے رہیں- یہاں پر اللہ تعالیٰ کے ان الفاظ پر ذرا غور کریں- فرمایا جا رہا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا کی- اس نے انہیں ہدایت یافتہ بنایا اور یہ تو ہمیں معلوم ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ شریعت کے حوالے سے ہدایت ہمیشہ اپنی کتاب کے ذریعہ ہی دیا کرتا ہے- گویا انہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے اپنے اپنے وقت پر کتابِ شریعت عطا کر کے ہدایت یافتہ بنایا-پس جس اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت یافتہ بنایا۔ وہی اللہ الحی القیوم آج بھی زندہ اور زندگی عطا کرنے والا ہے- وہ کل بھی اپنی کتاب کے ذریعہ ھادی تھا آج بھی وہی اللہ اپنی آخری کامل و مکمل کتاب الھدٰی کے ذریعہ ہدایت عطا کرنے والا ہے- پھر ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تم ہدایتِ الٰہی کی اقتداء کرتے رہو- گویا اقتداء کتاب الھدیٰ کی ہے- نہ کہ انبیاء کی شخصی اقتداء- اس طرح تمام مخلوق اپنے خالق ومالک کی ہدایت کی محتاج ہے- تمام نبیؑ ولی ایک ہی ذات کے محتاج ہیں- اور تمام نوعِ انسانی اور کل کی کل امتِ مسلمہ بھی امورِ ہدایت میں اس ہادئ برحق اللہ ربّ العزت ہی کی محتاج ہے- نیز ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اقْتَدِہْ کہ اس کی اقتداء یعنی پیروی کر لیکن یوں نہیں فرمایا گیا- کہ اقتدھم ان (نبیوں) کی اقتداء کر- اگر نبیوں کی اقتداء کرنی مطلوب ہوتی- تو قرآنِ حکیم کے الفاظ اقتدھم ہوتے- جبکہ ایسا نہیں ہے- پس اس سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ اقتداء اس کتاب الھدیٰ کی ہے۔ جو ان نبیوں کی طرف نازل کی گئی تھی-

پس معلوم ہوا کہ رسول اللہ کو جو چیز رسول بناتی ہے- وہ وحیٔ و کلامِ الٰہی ہوتا ہے۔اس وحی سے رسول کی زندگی دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے- وحی و رسالت سے قبل کی زندگی دوسری وحی کے بعد کی زندگی- رسول پر جو وحی نازل ہوتی ہے۔ اس پر وہ نبی بھی دوسرے اہلِ ایمان کی طرح ایمان لاتا ہے- **اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ** (2/285)- اور اس پر بھی دوسرے اہلِ ایمان کی طرح اُس وحی کی

اتباع واجب ہوتی ہے۔ **اِتَّبِعْ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ** (6/107)۔ اور جو کچھ آپؐ کی جانب آپؐ کے رب کی طرف سے وحی کیا گیا ہے۔ اس کی اتباع کرتے رہیں۔ اس اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی صاحبِ الوہیت نہیں ہے اور آپؐ مشرکوں سے اپنے آپؐ کو الگ تھلگ رکھیں۔ حتیٰ کہ رسول کے ہدایت یافتہ ہونے کا سبب بھی وحی ہی ہوا کرتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ **قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَا اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْ اِلَیَّ رَبِّیْ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ** (34/50)

کہہ کہ اگر میں ہدایت یافتہ ہو چکا ہوں تو اس کا سبب وہ وحی ہے کہ جو میری طرف میرا رب کر رہا ہے۔ بلا شبہ وہ بڑا ہی سننے والا بڑا ہی قریب ہے۔ پس ارشادات الٰہیہ سے معلوم ہوا کہ وحیٔ الٰہی ہی دراصل وہ شیٔ ہے کہ جو انبیاءؑ و رسلؑ کی ہدایت کا باعث بنتی ہے۔ اور اس پر ایمان اور اس کی اتباع ہی میں ان کے فوز و فلاح کی ضمانت پائی جاتی ہے۔ پس اس سے یہ بات بہت کھل کر واضح ہو گئی۔ کہ وحی ہی دراصل انبیاءؑ کا اسوہ ہے۔ اور یہی محمد رسولؐ اللہ کا اسوہ ہے۔ اور یہ اسوہ موجود فی القرآن ہے۔ لہٰذا ہم اسوۂ رسول کو حاصل کرنے کیلئے بیرونِ قرآن جانے کے قطعاً" مکلف نہیں ٹھہرائے گئے۔ ہم اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ نے اس حوالے سے جس چیز کی اتباع کا حکم دیا ہے۔ وہ اتباعِ وحی یا اتباعِ قرآن ہے اور بس۔ ارشاد الٰہی ہے۔ **اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ** (7/3)۔ اہل ایمان تم اس کی اتباع کرو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے۔ اور اس کے ماسوائے دوسرے اولیاء کی پیروی نہ کرو۔ اگر تم نے ان اولیاء کی پیروی کی تو گویا تم اس سے کچھ فیضیاب نہیں ہوئے۔ اسوۂ رسولؐ اللہ کی اس بحث کے دوران جن آیاتِ مبارکہ سے استدلال کیا جاتا ہے۔ ان میں سے مرکزی نوعیت کی تو یہی آیت مبارکہ (33/21)۔ ہے۔ جس کے سیاق و سباق میں رسولؐ اللہ کی استقامت اور ثابت قدمی کا حوالہ دیا گیا ہے۔ جس میں روئے سخن اولاً منافقین کی جانب ہے۔ کہ جنہوں نے غزوۂ احزاب میں دشمن کے بڑے بڑے لشکروں سے خوف زدہ ہو کر اسلام کے دفاع کے حوالے سے عائد ہونے والے فریضۂ جہاد سے عہدہ برآء ہونے میں تھڑدلی کا مظاہرہ کیا تھا۔ جو دشمن کے سامنے ہتھیار ڈالنے اور اہلِ ایمان کو ہزیمت و پسپائی قبول کر کے ذلت و نامرادی کی زندگی گذارنے کی دعوت دے رہے تھے۔ انہیں کہا جا رہا ہے کہ اے مدعیانِ اسلام اپنے قائدِ اعظم محمدؐ رسول اللہ کو دیکھو کہ وہ تنِ تنہا دنیا جہان کے مشرکوں اور کافروں کے سامنے میدانِ جہاد اور معرکۂ قتال میں کوہِ استقامت بن کر کھڑے ہیں۔ اگر تمہارے اندر اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان کا کوئی ادنیٰ ترین یقین بھی پایا جاتا ہے تو رسولؐ اللہ کے اس عملی نمونے کو اپنے اندر پیدا کر

کے اللہ کے راستے میں اسی طرح کے جہادِ جان و مال اور استقامت فی الدین کا مظاہرہ کرو۔ اس آیتِ مبارکہ (33/21)۔ کے سیاق و سباق میں اُس اُسوہ کا عملی طور پر یہی سبق ہے۔اس کا اس امر سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ قرآنِ حکیم تفصیلاتِ شریعت سے چونکہ خالی ہے۔ لہٰذا رسول اکرمؐ تمہارے لئے شارع ٹھہرائے گئے ہیں۔ لہٰذا وہ امر اللہ کے حوالے سے جو تمہارے لئے تفصیلاتِ شریعت قرار دیں۔ انہیں قرآن ہی کی طرح نہیں بلکہ اس پر انہیں قاضی و حاکم بنا کر قرآنِ حکیم کو منسوخ مان کر اسے اب مجرد ایسی تلاوت کیلئے مخصوص کر لو کہ جس کا اصل مقصود اور نصب العین ایسا ثواب حاصل کرنا ہو کہ جس کے اصل مفہوم سے بھی تم آگاہ نہ ہو۔ یا ایسی تلاوت میں مستغرق رہو کہ جس کا اولین مقصد مردوں کو ثواب پہنچانا ہو۔ یا مرنے والوں کیلئے جان کنی کے مرحلہ کو آسان کرنا ہو۔ اس ضمن میں ہم ایک اہم قرآنی نکتہ سے اپنے برادرانِ قرآنی و اسلامی کو آگاہ کر دینا اپنا ایمانی فریضہ خیال کرتے ہیں۔

<u>**رسولؐ اللہ امیرِ شریعت یا مامورِ شریعت**</u> رسول اللہ کے حوالے سے یہ اہم ترین سوال ہے کہ کیا آپؐ امیرِ شریعت تھے یا مامورِ شریعت؟ اگر آپ امیرِ شریعت نہ تھے تو پھر ان کے علاوہ کوئی دوسرا امیرِ شریعت کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر آپ امیرِ شریعت نہیں بلکہ مامورِ شریعت تھے تو جس اللہ رب العزت نے آپ کیلئے شریعت سازی کی تھی' وہی ذات ہمارے لئے بھی شریعت ساز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حق التشریع یعنی شریعت سازی کا حق صرف اور صرف تنہا خالق کو حاصل ہے۔ شریعت سازی صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اور کسی غیر اللہ کو خواہ وہ نبی ہو یا ولی' اصلاً" شریعت سازی کا حق حاصل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کو شریعت سازی کا حق دیا ہی نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس حق کو تسلیم نہ کرنا بھی از روئے کلام اللہ شرک ہے دیکھئے (42/23)۔ اسی حوالے سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ رسولؐ اکرم بھی شریعت سازی کا کوئی حق نہیں رکھتے تھے۔ ان کا فریضہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ شریعت کو بیان کرنا۔ اسے سمجھانا اور اس کی تنفیذ کرنا تھا۔ اور وہ یہ فریضۂ تنفیذ اپنے اہلِ ایمان ساتھیوں کے امیر یعنی امیر المومنین ہونے کے ناطے سے انجام دیا کرتے تھے۔ آپؐ کا شریعت کو نافذ کرنے کا یہ فریضہ آپؐ کے انتقال کر جانے سے ختم نہیں ہو گیا بلکہ تبلیغ و تنفیذِ قرآن کا یہ فریضہ بحیثیت مجموعی امت کے کندھوں پر آن پڑا ہے۔ جس سے عہدہ برآ ہوئے بغیر اس امت کا امتِ مسلمہ و مومنہ ہونا اللہ تعالیٰ کی نظر میں محلِّ نظر رہے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے امت مومنہ اس امت کو قرار دیا ہے۔ جو کتاب الھدیٰ پر ایمان لا کر اس کے تقاضوں کے مطابق اپنے ہاں کتاب اللہ کی عملی طور پر تنفیذ کرے۔ اس کی حکمرانی کو عملاً" قائم کرے۔ لیکن اگر وہ دعوئ ایمان کے باوجود اس کی اپنے ہاں حکمرانی قائم نہ کرے۔ تو اللہ تعالیٰ اسے مومن ماننے کی بجائے اس کے کافر ظالم اور فاسق ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔

دیکھئے (5/45-46-47)- گویا اہلِ ایمان کا ایمانی فریضہ صرف یہ نہیں ہے- کہ وہ کتاب اللہ پر اپنے ایمان کا اعلان کر دیں اور اس کے بعد اپنی عملی زندگی کو نظامِ طاغوت کے ماتحت گذارتے رہیں' اور اس میں کوئی ادنیٰ ترین ذہنی و نفسیاتی خلش اور چبھن بھی محسوس نہ کریں اگر وہ طاغوت کے مقابلے میں کتاب اللہ کی حکمرانی کے قیامِ ربوبیتِ عالمینی کے قیام، نظامِ عبودیت والوھیت کے قیام کیلئے جہاد یا جدوجہد نہیں کر رہے تو قرآنِ حکیم انہیں مومن تسلیم نہیں کرتا (4/75)- بہرحال اسوہ اور تفصیلاتِ شریعت کی مناسبت سے جو سوال اٹھایا گیا تھا جس میں یہ پوچھا گیا تھا کہ آپؐ امیرِ شریعت ہیں یا مامورِ شریعت' تو اس حوالے سے کلام اللہ ہماری یہ راہنمائی کرتا ہے- کہ **ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ** (45/18-19)- اور ہم نے آپؐ کے لئے اپنے الامر (امراللہ۔ دین اللہ) کی ایک شریعت ٹھہرا دی- پس آپؐ اس (شریعت) کی پیروی کرتے رہیں- اور آپؐ ان لوگوں کی پیروی نہ کریں- کہ جو حقیقت کا اصل علم نہیں رکھتے- اور وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں یا اس کے سامنے تیرے کسی کام نہ آسکیں گے- بلا شبہ ظالم ایک دوسرے کیلئے مددگار ہیں- اور اللہ تعالیٰ اہلِ تقویٰ کا سرپرست و کارساز ہے-

اس مقام سے چند ایک امور روزِ روشن کی طرح واضح ہو رہے ہے-

1- اللہ تعالیٰ نے خود اپنے امر کی شریعت طے کر رکھی ہے- یعنی شریعت سازی اللہ تعالیٰ نے خود کی ہے- اور اس نے تمام امت یا انسانیت ہی کیلئے یہ شریعت سازی نہیں کی بلکہ اپنے رسول کیلئے بھی شریعت اسی اللہ تعالیٰ نے ٹھہرائی ہے- پس شریعت سازی کرنا کسی انسان کا کام نہیں خواہ وہ انسان کوئی نبی یا ولی ہی کیوں نہ ہو- یہ استحقاق صرف اور صرف خالصتاً" اللہ تعالیٰ کا استحقاق ہے اور بس-

2- اللہ تعالیٰ نے اپنے الامر کی جو شریعت طے کر دی ہے- رسول اکرمؐ کا فریضۂ منصبی اس کی اتباع یا پیروی کرنا ہے- ان کا کام اس کے پیچھے پیچھے چلنا ہے- پس جب آپؐ بھی اسی شریعت کے ماتحت اور اس کی پیروی کرنے پر مامور کئے گئے ہیں- تو گویا آپؐ مامورِ شریعت تھے نہ کہ امیرِ شریعت- پھر امت میں سے کوئی شخص بھلا امیرِ شریعت ہونے کا مدعی کیسے ہو سکتا ہے- اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے- تو یہ اس کی بھول ہے- اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں بچائے رکھے-

3- پھر ارشاد فرمایا گیا ہے کہ آپؐ اپنے مامورِ شریعت ہونے کے موقف پر قائم رہیں اور حقیقت اصلیہ کا علم نہ رکھنے والے جاہل آپؐ کو اس موقف سے منحرف کرنے کیلئے آپؐ پر اپنی خواہشاتِ حیوانی کے حوالے سے جتنے بھی حملے کریں آپؐ ان کے سامنے کوہِ استقامت بن کر کھڑے رہیں-

اس حقیقت کو ہمیشہ اپنے ذہن میں مستحضر رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کے وقت ان میں سے کوئی بھی آپؐ کے کسی حوالے سے کچھ کام نہ آسکے گا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہماری پیشی فرداً فرداً ہو گی(6/94) لہٰذا وہاں نہ تو کوئی کسی کا مددگار بن سکے گا اور نہ ہی کوئی شفیع و حمایتی بن کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہو سکے گا۔ فرمایا گیا ہے کہ اگر ظالم ایک دوسرے کے مددگار ہیں تو بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اہلِ تقویٰ بندوں کا معاون و مددگار نہ ہو۔ وہ ان کی کارسازی و چارہ سازی کرے گا۔ اور وہ انہیں اس میدان میں تنہا نہیں چھوڑے گا۔ گویا یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اہلِ تقویٰ ان افراد کو قرار دیا ہے، جو شریعت الٰہیہ کے اس موقف پر قائم ہوں، کہ شریعت سازی اللہ تعالیٰ کا اختصاص ہے۔ یہ حق کسی نبی یا ولی کو حاصل نہیں۔ اسی حوالے سے نبی اکرمؐ بھی مامورِ شریعت ہیں نہ کہ امیرِ شریعت۔ اور اس موقف کو قبول کرنے میں اصل رکاوٹ انسانوں کی خواہشاتِ حیوانیہ و نفسانیہ ہیں۔ انسان کی خواہشاتِ نفسانیہ کا مطالبہ ہے کہ وہ اپنے لئے شریعت سازی کا مطالبہ کرے۔ لیکن انسان جب بھی اس حق کو اپنے لئے غصب کرنے کی کوشش کرے گا۔ اِس سے زمین پر فساد کے سوا کچھ ظاہر نہ ہو گا۔ اور خشکی و تری پر غلبۂ فساد کے سوا کسی دوسری چیز کا غلبہ نہیں ہو گا۔ امور بالا سے یہ حقیقت کھل کر ہمارے سامنے آگئی۔ کہ قران فہمی کا ایک بنیادی تقاضا یہ بھی ہے کہ رسول اکرمؐ کے اسوہ کو موجود فی القرآن مانا جائے۔ اسوۂ رسولؐ کو معلوم کرنے کیلئے یا اسے متعین طور پر جاننے کیلئے بیرونِ قرآن اِدھر اُدھر جانے کی عادت کو ترک کر دیا جائے۔ جس طرح سابق انبیاء کے اسووں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں محفوظ کر کے ہمیں سابقہ کتبِ منزلہ سے مستغنی کر دیا ہے، اسی طرح اپنے رسولؐ خاتم النبین کے اسوۂ حسنہ کو اپنے قرآن میں محفوظ کر کے ہمیں انسانی روایات کے غیر محفوظ و غیر معصوم منابع سے سیرابی کرنے سے محفوظ رکھا ہے۔ پس شریعت سازی اللہ تعالیٰ کا اختصاص ہے۔ اس شریعت کا ترجمان قرآنِ پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسی چشمۂ حیواں کو جاری کر کے ہمیں اس کا سقہ بنایا ہے (22/78)۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے تابد سیراب ہونے اور دوسروں کو اسی چشمۂ حیوان پر لاتے رہنے کی توفیق عنایت فرماتا رہے۔

اس اسوہ کے حوالے سے ہم مزید دو ایک سوالات کو زیر بحث لانا ضروری سمجھتے ہیں، تاکہ یہ بحث ابتدائی حوالے سے اپنی تکمیل تک پہنچ جائے۔ پس اس ضمن میں ایک سوال تو یہ ہے کہ رسول کی اتباع و اطاعت سے آخر ہم کیا مراد لیتے ہیں۔

اسی طرح ایک دوسرا سوال یہ کیا جاتا ہے کہ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوا ہے۔ کہ **مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا** (59/7)۔ جو کچھ رسولؐ تمہیں دے دیا کرے، اسے لے لیا کرو۔ اور

جس سے وہ تمہیں روک دیا کرے، اس سے رک جایا کرو۔پس کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اکرمؐ کو آمرو ناھی ہونے کا مقام حاصل ہے؟۔ وہ جس چیز کا امر کریں اسے اختیار کرنا اور جس سے روکیں اس سے رک جانا ہمارے ایمان کا لازمی تقاضا ہے؟ لہٰذا ثابت ہوا کہ آپؐ کا فرمان یا اسوہ ہمارے لئے وجوب کی حیثیت رکھتا ہے؟ اس سوال کا جواب ہے کہ ہم گذشتہ صفحات میں دیکھ چکے ہیں کہ شریعت سازی کا آپؐ کو کچھ اختیار حاصل نہ تھا۔شریعت سازی خالصتاً" اللہ تعالٰی کا اختصاص ہے۔ اس لئے جب آپؐ کو شریعت سازی کا اختیار ہی حاصل نہیں تو پھر آپؐ اپنی جانب سے اپنے طور پر کوئی شریعت سازی کر ہی نہیں سکتے چہ جائیکہ اس حوالے سے آپؐ کوئی امر یا نہی کریں۔ شریعت سازی کرنے یا حِلّت و حُرمت کو جاری کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالٰی کو حاصل ہے۔ نبی کا فریضۂ منصبی صرف اللہ تعالٰی کی ٹھہرائی ہوئی شریعت کی تبلیغ اور تنفیذ کرنا ہُوا کرتا ہے۔ اور حلّت و حُرمت کے حوالے سے وہ کسی حلال کو حرام یا حرام کو حلال اپنی ذات کیلئے بھی نہیں ٹھہرا سکتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ چہ جائیکہ وہ دوسروں کیلئے حلت و حرمت سازی کر سکے۔ اللہ تعالٰی حلت و حرمت کے حوالے سے اپنے رسولؐ سے یوں خطاب فرماتا ہے کہ **يَاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ** (66/1)۔ اے نبی جو کچھ اللہ تعالٰی آپ کیلئے حلال ٹھہرا چکا ہے۔ آپ بھلا اسے اپنے لئے کیوں حرام ٹھہرائیں گے۔ اہلِ روایات نے اس آیتِ جلیلہ کا جو ترجمہ کیا ہے۔ اس سے اس مقام پر ہمیں کوئی بحث نہیں ہے۔ ہم نے اس کا جو ترجمہ کیا ہے، وہی دراصل عربی زبان اور اس کے قواعد کے حوالے سے صحیح ترین ترجمہ ہے۔ جس سے یہ امروزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالٰی کے ٹھہرائے ہوئے حلال و حرام میں نبی اپنی ذات کیلئے بھی کوئی تبدیلی کر سکنے کا مجاز نہیں ہوا کرتا۔ لہٰذا نبی کو بالاصل شریعت سازی یا حلّت و حُرمت کا کوئی ایسا حق ہی حاصل نہیں ہوتا، کہ جس کی اساس پر وہ از خود کسی امر یا نہی کو جاری یا نافذ کرنے کا مجاز ہو۔ لہٰذا اسی حوالے سے تو نبی کے کسی امر یا نہی کا کوئی سوال ہی زیر بحث نہیں ہے۔ اب آیئے دیکھیں کہ اس مقام پر جس آیتِ جلیلہ کا حوالہ دیا گیا ہے، اس کا سیاق و سباق کیا ہے۔ تو اس مقام پر مالِ فیٔ کی تقسیم اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل کا اللہ تعالٰی حل بتا رہے ہیں۔ ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔ کہ مالِ فیٔ میں سے جو کچھ تمہیں الرسول عطا کرے، اسے خوش دلی سے قبول کر لیا کرو۔ اور جس مال و متاع کی طرف ہاتھ بڑھانے سے وہ روک دیا کریں، اس سے رک جایا کرو۔ یعنی یہاں پر مادی چیزوں کے لینے یا اُن سے باز رہنے کا حکم ہے۔ یہاں پر معنوی حوالے سے امر و نہی کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ نیز یہ احکام آپ کے بحیثیت امیرِ ملت کے ہیں۔ لہٰذا آپؐ کے بعد اسلامی نظام اور اسلامی جماعت کا جو بھی سربراہ ہو گا۔ اس کے احکام کی بھی اس حوالے سے اتباع و اطاعت اُمّت پر واجب ہو گی۔ اب چونکہ امتِ مسلمہ خلافت

علی منہاج الرسالت کے نظام کو ملوکیت میں تبدیل کر کے دین اور دنیا کی ثنویت کے عذاب میں مبتلا ہو چکی ہے۔ اسی لئے ان امور کی تفہیم اور اس کا ادراک اس کیلئے خاصہ مشکل ہو چکا ہے۔ حالانکہ یہ کوئی مشکل بات نہ تھی۔ بشرطیکہ دین اپنی جامعیت اور کاملیت کے ساتھ خلافت علی منہاج الرسالت کی صورت میں جاری و ساری رہتا۔ خلاصہ کلام یہ کہ محمدؐ رسول اللہ کا اسوہ بھی سابق انبیاء کے اسووں کی طرح کلام اللہ قرآن پاک میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا کتاب اللہ کی اتباع و اطاعت جس طرح محمد رسولؐ اللہ پر فرض تھی اسی طرح امت پر فرض ہے۔ لیکن اس فریضہ تنفیذ سے عہدہ برآ ہونے کیلئے جماعتی سطح پر خلافت علی منہاج الرسالت کا ہونا از بس ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے قیام کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

اطاعت و اتباع الرسول گزشتہ بحث تو اسوہ کے حوالے سے تھی۔ اب اسی عنوان پر رسولؐ اللہ کی اطاعت و اتباع کے حوالے سے بحث کی جاتی ہے۔ تاکہ طلبائے قرآن کیلئے قرآن فہمی کے حوالے سے اس موضوع کی اہمیت اور اس حوالے سے قرآنی موقف کی علی وجہ البصیرت وضاحت کی جا سکے۔ یاد رہے کہ اس عنوان میں دو الفاظ مرکزی نوعیت کے ہیں۔ یعنی اطاعت اور اتباع۔ اتباع سے تو یہ مراد ہے کہ جس طرح رسول اکرمؐ کتاب اللہ کی پیروی کرتے تھے، تمام اہلِ ایمان بھی اس کی اسی طرح پیروی کریں۔ یعنی محمدؐ رسول اللہ اپنے قلب و قالب کے حوالے سے کلی طور پر اور کامل ترین صورت میں کتاب اللہ کے ماتحت اس کے تابع اور اس کی سو فیصد اتباع کرنے والے تھے۔ لہٰذا اس حوالے سے ہمارے لئے آپؐ کا نمونہ یہی ہے۔ کہ ہم بھی اس کی صحیح معنی میں پیروی کریں۔ ہمارا اس طرح کتاب اللہ کی انفرادی واجتماعی طور پر پیروی کرنا دراصل الرسول کی اتباع کرنا ہے۔ اور بس۔ اب جہاں تک اطاعت الرسول کا تعلق ہے۔ تو یہ اطاعت اتباع سے ذرا اپنی نوعیت اور مزاج کے حوالے سے مختلف چیز ہے۔ اطاعت کسی زندہ شخص یا نظام کی ہوا کرتی ہے۔ قرآن حکیم میں اطیعوا الکتاب کا کہیں حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ اللہ، الرسول اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر یہ تین اطاعتیں نہیں ہیں۔ بلکہ اصل مطاع دراصل ایک ہے۔ اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات۔ جس کا مظہرِ اتم فکری و نظریاتی طور پر کتاب اللہ ہے۔ اور عملی طور پر اس سے مراد وہ مرکزی نظام ہے۔ جو اہلِ ایمان کو کتاب اللہ کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کا انفرادی و جماعتی سطح پر پابند ٹھہراتا ہے۔ لہٰذا اللہ اور رسول کی اطاعت سے مراد اس مرکزِ ملت کی اطاعت اور یہ مرکز بھی براہ راست اپنی اطاعت نہیں کرا سکتا۔ اس کے لئے بھی اس کے مقرر کردہ صاحبانِ امر ہونگے جو کتاب اللہ کی حدود میں رہتے ہوئے مرکزی نظام کے نافذ کردہ ضابطوں کی تنفیذ کریں گے۔ پس ان حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے ان کی اطاعت بھی امت مسلمہ کیلئے لازم ہو گی۔ لہٰذا اطاعت الرسول سے مراد کسی ایک یا بہت سی کتابوں کے مجموعوں کی

اللہ آمین کا بچہ۔ برابر کا جوان بیٹا۔ عصائے پیری۔ تمام زندگی کی امیدوں کا ایک ہی آسرا' اور اسے اپنے ہاتھوں ذبح کر دیا جائے! لیکن پریت کی ریت نیاری ہے۔ دیارِ محبت کے قانون اس دنیا سے جداگانہ ہیں۔ وہاں تو کچھ بھی اپنا نہیں ہوتا۔ حکم کا اشارہ پایا اور لبیک! اللھم لبیک!! کہتے ہوئے سر جھکا دیا۔ بیٹے کو ساتھ لیکر نکلے۔ راستہ میں پوچھا۔ اے بیٹا! "اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی" میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ کہو تمہارا کیا خیال ہے؟ سوال آپ نے سن لیا اب اس بچے کا جواب بھی سن لیجئے۔ عرض کیا "یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ ○" (37/102).

ابا جان! جو آپ کو حکم دیا گیا ہے' بلا تأمل کر گذریئے۔ انشاء اللہ آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے۔

سبحان اللہ۔ باپ تو ان ارادوں کا باپ۔ اور بیٹا تو اس حوصلے کا بیٹا۔ باپ نے بیٹے کو زمین پر لٹا دیا چھری ہاتھ میں لی۔ باپ نے اپنی محبت کے تمام جذبات اور بیٹے نے اپنی جان اور جوانی کو محبوبِ حقیقی کے ایک اشارے پر قربان گاہِ عشق میں بلا تکلف بھینٹ کے لئے حاضر کر دیا۔ یہ تسلیم و رضا کی آخری منزل تھی چھری چلنے کو تھی کہ آواز آئی۔

یٰۤاِبۡرٰہِیۡمُ قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡیَا ۚ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ○ اِنَّ ہٰذَا لَہُوَ الۡبَلٰٓؤُا الۡمُبِیۡنُ ○ وَفَدَیۡنٰہُ بِذِبۡحٍ عَظِیۡمٍ ○ وَتَرَکۡنَا عَلَیۡہِ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ ○ سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ ○ کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ○ (37/104-110)

"صد مرحبا اے ابراہیم (تو نے تو کمال کر دیا) بیشک تو نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ ہم مخلص بندوں کو اسی طرح اپنی رحمت سے نوازا کرتے ہیں۔ یقیناً یہ امتحان بہت بڑا تھا (جس میں تو پورا اترا ہے) ہم اس کے بدلے میں تمہیں ایک بہت بڑی قربانی دیتے ہیں جو قیامت تک یادگار رہے گی۔ درود و سلام ہو ابراہیم پر۔ ہم اپنے مخلص بندوں کو ایسا ہی اجر دیا کرتے ہیں۔"

اس عظیم الشان صحرائی قربانگاہ کی مقدس زمین کو اللہ نے "اپنا گھر" بنانے کے لئے منتخب فرمایا اور دنیا کے تمام توحید پرستوں کو حکم دیدیا کہ وہ اسے اپنی نمازوں کا قبلہ' اپنی آرزوؤں کا کعبہ اور اپنی اجتماعی زندگی کا مرکز قرار دیں۔ دنیا کے ہر حصہ سے چل کر یہاں پہنچیں اور اس واقعۂ عظیمہ کی یاد میں ہر سال تسلیم و رضا اور اطاعت و ایثار کے پیمان کو تازہ کریں۔ یہ ہے وہ مقام جہاں یہ اجتماع ہوتا ہے اور یہ ہے وہ واقعہ جس کی یاد میں قربانی کے جانور اللہ کے نام پر ذبح کئے جاتے ہیں۔ قربانی کے جانوروں کے متعلق فرمایا کہ۔

لَکُمۡ فِیۡہَا مَنَافِعُ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ مَحِلُّہَاۤ اِلَی الۡبَیۡتِ الۡعَتِیۡقِ ○ (22:33)

(ان جانوروں میں ایک وقت مقررہ تک تمہارے لئے (طرح طرح کے) فائدے ہیں۔ پھر اس خانۂ قدیم تک پہنچا کر ان کی قربانی کرنی ہے)

اس قربانی سے مقصد یہ ہے کہ **فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ** ○ (22:28) قربانی کا گوشت خود بھی کھاؤ اور بھوکے محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔ یعنی اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ تم یونہی جانوروں کا خون بہا اور نذر کے طور پر ذبح کر کے انہیں گڑھوں میں دبا دو۔ بلکہ مقصد یہ ہے' کہ یہ قربانیاں' اللہ کے ان مہمانوں کی' جو اس تقریب پر اللہ کے گھر میں جمع ہوئے ہیں اور محتاجوں اور مسکینوں کی غذا کا کام دیں۔ پھر ان واضح احکامات کے بعد' کھلے کھلے الفاظ میں یہ بھی بتا دیا کہ یاد رکھو! کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ اللہ کو تمہارے ان چڑھاووں کی ضرورت ہے! وہ اس خونریزی سے خوش ہوتا ہے! یا محض اس رسم کی ادائیگی سے تم اس کے مقرب بن سکتے ہو۔ ہرگز نہیں۔

لَنْ يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ كَذَٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ (22/37)

"یاد رکھو! اللہ تک ان قربانیوں کا نہ تو گوشت پہنچتا ہے نہ خون۔ اس کے حضور جو کچھ پہنچ سکتا ہے وہ تو صرف تمہارا تقویٰ ہے (یعنی اس کے احکام کی پابندی میں تمہاری خواہشات و جذبات کی قربانی)۔ باقی رہا یہ کہ اس نے ان جانوروں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے (کہ تم ان سے فائدے حاصل کرو اور کام لو) تو یہ اس لئے نہیں کہ تم اپنے آپ کو بڑی قوتوں کا مالک سمجھنے لگ جاؤ اور سرکشی اختیار کر لو۔ بلکہ اس لئے کہ تم اللہ کے نام کی بڑائی کا آوازہ بلند کرو۔ یقیناً اس میں اس کے مخلص بندوں کے لئے (بہترین نتائج کی) خوشخبری ہے"

یہ ہے قربانی کی اصل اور یہ ہے اس کی روح۔ یہ ہے اس کی غایت اور یہ ہے اس سے مقصود کہ اس رسم کی ادائیگی سے یہ حقیقت آنکھوں کے سامنے آجائے کہ اگر اس کا حکم ہو تو حضرت خلیل اکبرؑ اور جناب ذبیح اللہؑ علیہما السلام کی طرح اولاد اور اپنی جان جیسی عزیز چیزیں بھی اس کی راہ میں بلا تأمل قربان کر دی جائیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر ایک مسلمان صحیح معنوں میں **عبدِ مسلم** بنتا ہے "**بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ**" ہاں! جس نے اپنے تمام ارادوں اور خواہشوں کو اللہ کے حکم کے تابع کر دیا۔ وہی مسلمان ہے۔

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

قربانی ہمیں یہی سکھاتی ہے' کہ سچا مسلمان کیسے بنا جاتا ہے۔ آپ سب کو عید مبارک ہو!

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاہِہِمۡ مَّا لَیۡسَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ ۔...(3/167)

یہ لوگ زبان سے وہ کچھ کہتے ہیں۔ جو ان کے دل میں نہیں!

بشیر احمد عابد

کوپن ہیگن کانفرنس - اجتماعِ منافقین

گذشتہ ماہ اقوامِ متحدہ نے ڈنمارک کے شہر کوپن ہیگن میں سماجی ترقی اور غربت کے خاتمے کے لئے ایک بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد کیا۔ اس میں دنیا بھر سے ایک سو بیس سے زائد ممالک کے سربراہانِ مملکت' اور سرکاری حکام نے شرکت کی۔ یہ کانفرنس سات دن تک جاری رہی اور اس پر تقریباً نوے کروڑ روپے صرف ہوئے۔ اس میں شریک مندوبین نے دنیا سے غربت کے خاتمے' بیروزگاری' سماجی ترقی' اور معاشرتی ناانصافیوں کے سدِّباب کے لئے طریقہ کار پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور تجاویز پیش کیں۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل جناب پطرس غالی نے کانفرنس کے اختتام پر نوے صفحات پر مشتمل ایک دستاویز پیش کی جسے متفقہ طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ اس دستاویز کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:-

"اعلامیہ"

"تاریخِ انسانیت میں پہلی مرتبہ ...... ہم اس مقام پر اکٹھے ہوئے ہیں .... اور اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ سماجی ترقی اور خوشحالی دنیا کے سب انسانوں کو یکساں طور پر حاصل ہونی چاہئے .... اس مقصد کے حصول کے لئے ہمیں آج اور اکیسویں صدی کے دوران ترجیحی بنیادوں پر کام کرنا ہو گا .... ہم اس حقیقت کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا کا کوئی ملک بھی سماجی ترقی اور عدل و انصاف کے تقاضے پورے کئے بغیر امن و سلامتی حاصل نہیں کر سکتا .... آج اقوامِ متحدہ کی پچاسویں سالگرہ کے باسعادت موقع پر ہم خلوصِ نیت کے ساتھ عہد کرتے ہیں کہ سماجی ترقی اور عدل و انصاف کے حصول کے لئے کوئی

یقہ فروگذاشت نہیں کریں گے ...... ہم آج یہاں کوپن ہیگن میں ایک ایسی کانفرنس میں شریک ہیں جس کے ساتھ دنیا کے تمام انسانوں کی امیدیں وابستہ ہیں- اور جو ہمارے ایفائے عہد اور عمل کی کسوٹی ثابت ہو گی- ہمیں اس بات کا کامل احساس ہے کہ ہمارے سامنے ایک انتہائی کٹھن کام ہے' لیکن ہمیں پختہ یقین ہے کہ ہم اس میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں- نہیں ! ہمیں کامیابی حاصل کرنی چاہئے- نہیں ! ہم کامیابی حاصل کر کے رہیں گے- یہ تلخ حقیقت بھی ہماری نگاہوں کے سامنے ہے کہ دنیا میں جہاں چند ایک کے لئے خوشحالی کا دَور دَورہ ہوا ہے وہاں بدبختی سے انسانوں کی ایک اکثریت ناقابلِ ذکر غربت کا شکار ہوئی ہے ...... یہ فکر و عمل کا ایک واضح تضاد ہے' جو ہمیں قطعی منظور نہیں ہے- ہم چاہتے ہیں کہ اس انتہائی سنگین صورتِ حال کی فوری اصلاح ہونی چاہئے ...... اس وقت دنیا میں ایک ارب سے زائد انسان غربت کے رُسوا کن عذاب میں مبتلا ہیں- ایک ارب بیس کروڑ سے زائد افراد بیروزگاری کا شکار ہیں- اور اس سے کہیں زیادہ تعداد کم آمدنی والے برسرِ روزگار افراد کی ہے ..... معاشرتی اقدار تباہ ہو رہی ہیں- معاشرے کا تار و پود بکھر رہا ہے- خاندان ٹوٹ رہے ہیں- صنعتوں کے بے ہنگم قیام کی وجہ سے دنیا میں ماحول کی آلودگی بڑھ رہی ہے- غربت اور بیروزگاری عام ہو چکی ہے- اور اقوامِ عالم داخلی اور خارجی طور پر جنگ و جدل کا شکار ہیں ..... اور اس سارے فتنے میں خواتین کی حالت سب سے بدتر ہے- ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم اپنے آپ کو دنیا سے غربت کے خاتمے کے لئے وقف کر دیں گے- ہر فردِ معاشرہ کو روزگار فراہم کرنا ہماری بنیادی ترجیحات میں ہو گا- ہم معاشرتی وحدت اور استحکام کے لئے کوشش کریں گے- ہم احترامِ آدمیت کو فروغ دیں گے- ہم مرد اور عورت کے درمیان تفاوت مٹا کر عدل و مساوات قائم کریں گے ..... ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم ترقی پذیر ممالک بالخصوص برِاعظم افریقہ میں سماجی' اقتصادی اور انسانی وسائل کی روز افزوں ترقی کے لئے مثبت اقدام کریں گے- اور اس امر کو یقینی بنائیں گے کہ دنیا میں ہر کہیں ملکی ترقی کے پروگراموں میں سماجی ترقی کو ترجیح دی جائے- سماجی ترقی کے لئے زیادہ سے زیادہ رقم فراہم کی جائے اور اس کو بہتر طور پر استعمال میں لایا جائے- تاکہ اس کانفرنس کے مقاصد کا حصول ممکن ہو سکے- ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم ان تمام عوامل اور عناصر کے خلاف بھرپور جنگ لڑیں گے جو نوعِ انسان کی ترقی' خوشحالی

اور امن و سلامتی کی راہ میں حائل یا اثر انداز ہوں گے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ عوام ہم پر اسی صورت میں بھروسہ کریں گے۔ جب ہم ان کی ضروریات اور احتیاجات کو اپنی ترجیحات میں سرفہرست رکھیں گے"۔

قارئینِ کرام! آپ نے کانفرنس کا اعلامیہ پڑھ لیا ہے۔ اس کانفرنس سے متعلق ملکی اخبارات میں بہت کچھ شائع ہو چکا ہے۔ اس کے محاسن و عیوب اور اچھے بُرے پہلوؤں پر خوب تبصرے ہوئے ہیں۔ یقیناً یہ سب کچھ آپ کی نگاہوں سے گذرا ہو گا۔ طلوعِ اسلام کے صفحات میں پیش کرنے کا مقصد اسے دہرانا نہیں ہے۔ بلکہ اس کی اہمیت اور افادیت کو قرآن کریم کی روشنی میں پرکھنا ہے۔ ہمارے نزدیک حق و باطل میں تمیز کرنے کا واحد ذریعہ یہی کتاب عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے "الفرقان" کہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کھرے کھوٹے میں بال برابر فرق کو بھی ظاہر کر دیتی ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ یہ روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کے لئے مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس کے بغیر عقلِ انسانی نامتمام ہے۔ عقل، انسان کو درپیش طبیعی مسائل و مشکلات کا حل تو تلاش کر سکتی ہے۔ کیونکہ ان کے نتائج کو برآمد ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگتی ہے اور نتائج کو دیکھ کر غلط اور صحیح کا فیصلہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس معاشرتی اقدار اور معاشی اصول و قوانین کے نتائج برآمد ہونے میں کافی دیر لگتی ہے۔ لہٰذا معاشرتی اور معاشی زندگی سے متعلق مسائل کا حل تلاش کرنا صرف انسانی عقل کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لئے خارج سے وحی کی بھی رہنمائی چاہیئے۔ وحیٔ خداوندی انسانی عقل و بصیرت کے لئے اسی طرح اہم ہے جس طرح کہ انسانی آنکھ کے لئے سورج کی روشنی اہم ہے۔ انسان، جلد یا بدیر اس حقیقت کو تو معلوم کر لیتا ہے کہ زہر کھانے کا کیا نتیجہ نکلے گا لیکن حرام مال کھانے کا کیا نتیجہ برآمد ہو گا، شاید اسے زندگی بھر معلوم نہ ہو سکے۔ حالانکہ دونوں کا نتیجہ آخر الامر، ہلاکت ہوتا ہے۔ ہماری بدبختی یہ ہے کہ ہم قرآنِ کریم کی رہنمائی سے استفادہ نہیں کرتے۔ قومی اور بین الاقوامی سطح پر جب کبھی بھی غور طلب مسائل سامنے آتے ہیں تو ہمارے ردّ و قبول کا معیار عقلِ انسانی کا استدلال ہوتا ہے۔ جو کہ شروع میں تو بڑا مفید نظر آتا ہے لیکن انجام کار بڑا نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ یہی نہیں کہ انسان کی عقل محدود ہے اور زمان و مکان کی قید میں ہے بلکہ اس پر انسان کی نفسیات کا بھی بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ کسی انسان کے لئے بھی یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے جذبات، احساسات اور خواہشات سے بلند ہو کر سوچ اور فیصلے کرے۔ ہر انسان کسی نہ کسی طور اپنے آپ کو ذاتی یا گروہی مفاد میں گھرا پاتا ہے۔ ان کی کشش سے باہر نکلنے کے لئے ایمان کی قوت چاہیئے۔ جذبات اور خواہشات سے پاک صرف خدا کی ذات ہے۔ وہی ایک ہستی ہے جو حق و انصاف کے مطابق فیصلے صادر کر سکتی ہے

...ت مسلمان ہم پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں قرآنِ کریم سے رہنمائی حاصل ...ٹھتے بیٹھتے' لیٹتے جاگتے احکامِ خداوندی ہمارے سامنے ہونی چاہئیں۔

...بیگن میں منعقد ہونی والی کانفرنس میں کئی اسلامی ممالک کے سربراہانِ مملکت نے بشمول اعلیٰ ...ی حکام' صحافیوں اور دانش وروں کی فوجِ ظفر موج کے ساتھ شرکت کی۔ ان سب نے کانفرنس کے ...ے پر دھُواں دھار تقریریں کیں لیکن پوری کاروائی کے دوران ان میں سے کسی ایک نے بھی قرآن کی ...آواز بلند نہیں کی۔ کسی ایک نے بھی یہ منادی نہیں کی کہ اے دنیا کے لوگو! غور سے سنو۔ قرآن تمہاری ...لیے رہنمائی کرتا ہے؟ جن مسائل میں تم الجھ چکے ہو۔ انہیں قرآن کیسے حل کرتا ہے؟ ذلت و رسوائی کے جس گڑھے میں گر چکے ہو' وہاں سے تمہیں کیسے کھینچ کر نکالتا ہے؟ تمہاری نام نہاد تہذیب کو جو خدشات اور خطرات لاحق ہیں انہیں کیسے دور کرتا ہے؟ آؤ ہم تمہیں بتائیں کہ کامیاب زندگی کیا ہوتی ہے؟ ہم تمہیں وہ سیڑھی دیں جو تمہیں شرفِ انسانیت کے معراج پر پہنچا دیگی۔ ہم تمہیں وہ اقدار دیں جو تمہارے معاشرے کو امن وخوشحالی کا گہوارہ بنا دیں گی۔ ہم تمہیں وہ نظام دیں جس میں تمہیں اختیار و ارادے کی کامل آزادی حاصل ہو گی۔ جس میں تمہاری عزتِ نفس کو قانونی تحفظ فراہم کیا جائیگا۔ جس میں کوئی بھی تمہاری محنتوں کا استحصال نہیں کر سکے گا۔ جس میں تمہاری صلاحیتوں کی بیداری اور نشوونما یوں ہو گی جیسے شجرِ خزاں دیدہ پر بہار آجاتی ہے۔ جس میں تمہارے لئے ہر طرف نویدِ جانفزا ہو گی اور سلامتی کی صدائیں ہوں گی۔ لیکن صد افسوس کہ اس کانفرنس میں شریک کسی ایک مسلمان نے بھی قرآن کریم کے ان دعاوی کا تذکرہ نہیں کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن کریم کا تذکرہ کر ہی نہیں سکتے تھے۔ اس لئے کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی اپنے ملک میں قرآن کی حکمرانی قائم نہیں کر رکھی۔ ان سب نے قرآن کے علی الرغم حکومتیں قائم کر رکھی ہیں۔ بلکہ اکثر نے تو عوام کی رائے کے بھی علی الرغم حکومتیں قائم کی ہوئی ہیں۔ دنیا میں ان کی ذلت و رسوائی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ تارکِ قرآن امت ہے۔ قرآن کا یہ صرف جعلی احترام (LIP-SERVICE) کرتے ہیں۔ زندگی کے روزمرہ معمولات میں ان کا رویہ ایک عام پجاری کی طرح ہے۔ اللہ کے حکم کے مطابق صرف نماز روزہ ادا کرتے ہیں' باقی من مانی کرتے ہیں۔ اس کانفرنس میں شریک مندوبین نے ایک نماز بھی ضائع نہیں کی ہو گی۔ مسلمان نماز بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ ان کے سامنے مولوی صاحبان جب وعظ فرماتے ہیں کہ۔ **كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ** تم دنیا کی بہترین امت ہو۔ (آل عمران۔ 109)_ تو یہ پھولے نہیں سماتے! خوشی سے باچھیں کھل جاتی ہیں۔ فخر سے گردن تن جاتی ہے۔ اگر اس وقت صدر کلنٹن ان کے پہلو میں بیٹھا ہو تو یقیناً اسے ٹھونکا لگائیں گے کہ سنو! مولوی صاحب کیا فرما رہے

اور امن و سلامتی کی راہ میں حائل یا اثر انداز ہوں گے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ عوام ہم پر اسی صورت میں بھروسہ کریں گے۔ جب ہم ان کی ضروریات اور احتیاجات کو اپنی ترجیحات میں سرفہرست رکھیں گے"۔

قارئینِ کرام! آپ نے کانفرنس کا اعلامیہ پڑھ لیا ہے۔ اس کانفرنس سے متعلق ملکی اخبارات میں بہت کچھ شائع ہو چکا ہے۔ اس کے محاسن و عیوب اور اچھے بُرے پہلوؤں پر خوب تبصرے ہوئے ہیں۔ یقیناً یہ سب کچھ آپ کی نگاہوں سے گذرا ہو گا۔ طلوعِ اسلام کے صفحات میں پیش کرنے کا مقصد اسے دہرانا نہیں ہے۔ بلکہ اس کی اہمیت اور افادیت کو قرآن کریم کی روشنی میں پرکھنا ہے۔ ہمارے نزدیک حق و باطل میں تمیز کرنے کا واحد ذریعہ یہی کتاب عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے "الفرقان" کہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کھرے کھوٹے میں بال برابر فرق کو بھی ظاہر کر دیتی ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ یہ روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کے لئے مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس کے بغیر عقلِ انسانی ناتمام ہے۔ عقل' انسان کو درپیش طبیعی مسائل و مشکلات کا حل تو تلاش کر سکتی ہے۔ کیونکہ ان کے نتائج کو برآمد ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگتی ہے اور نتائج کو دیکھ کر غلط اور صحیح کا فیصلہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس معاشرتی اقدار اور معاشی اصول و قوانین کے نتائج برآمد ہونے میں کافی دیر لگتی ہے۔ لہٰذا معاشرتی اور معاشی زندگی سے متعلق مسائل کا حل تلاش کرنا صرف انسانی عقل کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لئے خارج سے وحی کی بھی رہنمائی چاہئے۔ وحیٔ خداوندی انسانی عقل و بصیرت کے لئے اسی طرح اہم ہے جس طرح کہ انسانی آنکھ کے لئے سورج کی روشنی اہم ہے۔ انسان' جلد یا بدیر اس حقیقت کو تو معلوم کر لیتا ہے کہ زہر کھانے کا کیا نتیجہ نکلے گا لیکن حرام مال کھانے کا کیا نتیجہ برآمد ہو گا' شاید اسے زندگی بھر معلوم نہ ہو سکے۔ حالانکہ دونوں کا نتیجہ آخر الامر' ہلاکت ہوتا ہے۔ ہماری بدبختی یہ ہے کہ ہم قرآنِ کریم کی رہنمائی سے استفادہ نہیں کرتے۔ قومی اور بین الاقوامی سطح پر جب کبھی بھی غور طلب مسائل سامنے آتے ہیں تو ہمارے ردّ و قبول کا معیار عقلِ انسانی کا استدلال ہوتا ہے۔ جو کہ شروع میں تو بڑا مفید نظر آتا ہے لیکن انجامِ کار بڑا نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ یہی نہیں کہ انسان کی عقل محدود ہے اور زمان و مکان کی قید میں ہے بلکہ اس پر انسان کی نفسیات کا بھی بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ کسی انسان کے لئے بھی یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے جذبات' احساسات اور خواہشات سے بلند ہو کر سوچے اور فیصلے کرے۔ ہر انسان کسی نہ کسی طور اپنے آپ کو ذاتی یا گروہی مفاد میں گھرا پاتا ہے۔ ان کی کشش سے باہر نکلنے کے لئے ایمان کی قوت چاہئے۔ جذبات اور خواہشات سے پاک صرف خدا کی ذات ہے۔ وہی ایک ہستی ہے جو حق و انصاف کے مطابق فیصلے صادر کر سکتی ہے

لہٰذا' بحیثیت مسلمان ہم پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں قرآنِ کریم سے رہنمائی حاصل کریں۔ اٹھتے بیٹھتے' لیٹتے جاگتے احکامِ خداوندی ہمارے سامنے ہونی چاہئیں۔

کوپن ہیگن میں منعقد ہونی والی کانفرنس میں کئی اسلامی ممالک کے سربراہانِ مملکت نے بشمول اعلیٰ سرکاری حکام' صحافیوں اور دانش وروں کی فوجِ ظفر موج کے ساتھ شرکت کی۔ ان سب نے کانفرنس کے ایجنڈے پر دھؤاں دھار تقریریں کیں لیکن پوری کاروائی کے دوران ان میں سے کسی ایک نے بھی قرآن کی آواز بلند نہیں کی۔ کسی ایک نے بھی یہ منادی نہیں کی کہ اے دنیا کے لوگو! غور سے سنو۔ قرآن تمہاری کیا رہنمائی کرتا ہے؟ جن مسائل میں تم الجھ چکے ہو۔ انہیں قرآن کیسے حل کرتا ہے؟ ذلت و رسوائی کے جس گڑھے میں گر چکے ہو' وہاں سے تمہیں کیسے کھینچ کر نکالتا ہے؟ تمہاری نام نہاد تہذیب کو جو خدشات اور خطرات لاحق ہیں انہیں کیسے دور کرتا ہے؟ آؤ ہم تمہیں بتائیں کہ کامیاب زندگی کیا ہوتی ہے؟ ہم تمہیں وہ سیڑھی دیں جو تمہیں شرفِ انسانیت کے معراج پر پہنچا دیگی۔ ہم تمہیں وہ اقدار دیں جو تمہارے معاشرے کو امن وخوشحالی کا گہوارہ بنا دیں گی۔ ہم تمہیں وہ نظام دیں جس میں تمہیں اختیار و ارادے کی کامل آزادی حاصل ہو گی۔ جس میں تمہاری عزتِ نفس کو قانونی تحفظ فراہم کیا جائیگا۔ جس میں کوئی بھی تمہاری محنت کا استحصال نہیں کر سکے گا۔ جس میں تمہاری صلاحیتوں کی بیداری اور تمناؤں [illegible] بہار آجاتی ہے۔ جس میں تمہارے لئے ہر طرف نویدِ جانفزا ہو گی اور [illegible]

افسوس کہ اس کانفرنس میں شریک کسی ایک مسلمان نے بھی قرآن کریم کے اس [illegible]

حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن کریم کا تذکرہ کر ہی نہیں سکتے تھے۔ اس لئے کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی اپنے ملک میں قرآن کی حکمرانی قائم نہیں کر رکھی۔ ان سب نے قرآن کے علی الرغم حکومتیں قائم کر رکھی ہیں۔ بلکہ اکثر نے تو عوام کی رائے کے بھی علی الرغم حکومتیں قائم کی ہوئی ہیں۔ دنیا میں ان کی ذلت و رسوائی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ تارکِ قرآن امت ہے۔ قرآن کا یہ صرف جعلی احترام (LIP-SERVICE) کرتے ہیں۔ زندگی کے روزمرہ معمولات میں ان کا رویہ ایک عام پجاری کی طرح ہے۔ اللہ کے حکم کے مطابق صرف نماز روزہ ادا کرتے ہیں' باقی من مانی کرتے ہیں۔ اس کانفرنس میں شریک مندوبین نے ایک نماز بھی ضائع نہیں کی ہو گی۔ مسلمان نماز بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ ان کے سامنے مولوی صاحبان جب وعظ فرماتے ہیں کہ۔ **كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ**۔ تم دنیا کی بہترین امت ہو۔ (آل عمران-109)_ تو یہ پھولے نہیں سماتے! خوشی سے باچھیں کھل جاتی ہیں۔ فخر سے گردن تن جاتی ہے۔ اگر اس وقت صدر کلنٹن ان کے پہلو میں بیٹھا ہو تو یقیناً اسے ٹھوکا لگائیں گے کہ سنو! مولوی صاحب کیا فرما رہے

ہیں ! یونہی نیو ورلڈ آرڈر کی رٹ لگا رکھی ہے تم نے ! اصل چیز تو ہم ہیں۔
واقعی ! آج کا مسلمان بڑی نرالی چیز ہے۔ بالخصوص ان کا حکمران طبقہ۔ شراب اور جنسی بدنہادی کا نچوڑا ہوا (الا ماشاء اللہ)۔ اس لت نے ان کی شخصیت کو ایسا پھوک بنا رکھا ہے جیسے چوسی ہوئی گنڈیری ہوتی ہے ! مانا کہ دنیا کی دیگر اقوام بھی ان برائیوں میں مبتلا ہیں لیکن یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ انہیں ان کے بداثرات کا پوری طرح احساس ہے اور وہ ہمہ وقت کوشاں رہتی ہیں کہ کہیں ان ذمائم کی وجہ سے معاشرے کا توازن نہ بگڑ جائے۔ وہ ایسے مفید کام کرتے رہتے ہیں جن سے ان کی ذات میں استحکام پیدا ہوتا ہے اور معاشرے کا توازن قائم رہتا ہے۔ لیکن مسلمان ایسا نہیں کرتے۔ یہ ان جرائم کا ارتکاب کرنے کے بعد مسجدوں اور درگاہوں میں جا کر سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ "نتیجتہً" انہیں نہ دین فائدہ دیتا ہے اور نہ دنیا کے اصول کار آمد ثابت ہوتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے ان دونوں ذمائم سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔ شراب کے متعلق حکم ہے کہ یہ :-

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ہے۔ (المائدہ_ 90)

اس سے قلب و دماغ کی صلاحیتیں ماؤف ہو جاتی ہیں۔ حوصلہ و ہمت پست اور عزم و ارادہ کمزور پڑ جاتا ہے۔ لہٰذا، تم اس سے اجتناب کرنا۔ تاکہ یہ تمہاری کامیابی کی راہ میں روڑا بن کر نہ اٹک جائے۔ اور زنا کو تو ناقابلِ معافی جرم قرار دیا ہے۔ اس کے متعلق حکم ہے۔ کہ :-

زانی عورت اور مرد دونوں کو سو سو کوڑے لگاؤ۔ (النور_ 2)

اس حکم کے مطابق ہمارے حکمران طبقے میں سے شاید ہی کوئی خوش نصیب ایسا ہو کہ جو روزِ قیامت اپنی پیٹھ کو بچا سکے گا۔

تحفظِ عصمت، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعلیٰ ترین اقدار میں شمار ہوتی ہے۔ یہ وہ قدر ہے کہ جس پر انسان کی معاشرتی اور تمدنی زندگی کا توازن قائم ہے۔ قرآنِ کریم کی جس سورۃ میں اس سے متعلق احکام بیان ہوئے ہیں اسے "النور" کہا گیا ہے۔ یوں تو سارا قرآن النور ہے لیکن تحفظِ عصمت کے احکام کو خصوصیت کے ساتھ اس عنوان کے تحت بیان کرنا ان کی اہمیت کو دو چند کر دیتا ہے۔ ان اصول و اقدار کی نگہداشت کے بغیر انسان کبھی بھی حیوانیت سے باہر نہیں نکل سکتا اور نہ ہی انسانی تہذیب رفعتوں سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تحفظِ عصمت کو مرد اور عورت دونوں کے لئے فرض اور انسانی ذات کی نشوونما اور معاشرے کی فلاح و بہبود کے لئے متاعِ گراں بہا قرار دیا ہے۔ لیکن افسوس کہ اس قدر سخت تحذیر و تنذیر کے باوجود سب سے زیادہ خلاف ورزی انہی اقدار کی ہوتی ہے۔ شراب بھی خوب پی جاتی ہے اور زنا کا ارتکاب بھی عام

ہے۔ بالخصوص امراء اور رؤساء کا تو یہ خاندانی وصف قرار پا چکا ہے۔ ان کے بغیر نہ ان کی محفلیں سجتی ہیں اور نہ ہی ان کے کاروبار سرانجام پاتے ہیں۔ نوعِ انسان کی بدبختی یہ ہے کہ آج یہی لوگ ان پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ یہ شیاطین صفت انسان دنیا کے چھ ارب سے زائد انسانوں کی تقدیر کے ناقابلِ شکست مالک بنے بیٹھے ہیں۔ ان کی طاقت کو کوئی بھی چیلنج نہیں کر سکتا۔ ان مکار و عیار حکمرانوں کا طریقۂ واردات یہ ہے کہ یہ سادہ لوح انسانوں سے بڑے بڑے خوشنما وعدے کرتے ہیں۔ انہیں لمبی لمبی اُمیدیں دلاتے ہیں ان کی کمزوریوں اور مجبوریوں کی اصلاح کرنے کی بجائے ان کا استحصال کرتے ہیں۔

(FISHING IN TROUBLED WATER) لوگ ان کے دھوکے میں آجاتے ہیں اور ایک ووٹ کے ذریعے اپنی قیمتی امانتیں ان کے سپرد کر دیتے ہیں۔ انہیں اپنے اختیار وارادے کی انمول آزادی اور اپنے ملک کے قیمتی قدرتی وسائل اور ذرائع پیداوار کا امین و نگہبان مقرر کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد بے بس و مجبور ہو کر ان کے رحم و کرم پر رہ جاتے ہیں۔ یہ انہیں جس طرف چاہیں ہانکیں' اُدھر ہی چل پڑتے ہیں ! اور ان کی جو خصلتیں ہم نے اوپر بیان کی ہیں' یہ انہیں ماسوائے جہنم کے اور کہاں لے جا سکتے ہیں؟ آج دنیا میں جتنا بھی تشتت وافتراق اور فساد و خونریزی ہم دیکھتے ہیں۔ وہ درحقیقت اسی شرابی اور بدکار حکمران طبقے کی معصیت اور سرکشی کا نتیجہ ہے۔

قارئینِ کرام ! کانفرنس کے اعلامیے کو ایک بار پھر سے پڑھیئے۔ آپ پر اس طبقے کی منافقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائیگی۔ خود تسلیم کرتے ہیں کہ انسانوں کی اکثریت بھوک و افلاس کے جہنم میں جل رہی ہے' لیکن اس کے باوجود ہر کسی نے اپنے اپنے بنک بھر رکھے ہیں۔ یہ منافقت نہیں تو اور کیا ہے؟ ایسے منافقوں سے کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ دنیا سے غربت' بیروزگاری' اور ظلم واستحصال کو ختم کریں گے۔ آغا مسعود حسن ہمارے ملک کے ایک معروف صحافی ہیں۔ روزنامہ جنگ میں اس کانفرنس سے متعلق لکھتے ہیں:-

> "کوپن ہیگن میں سماجی ترقی اور غربت کے خاتمے سے متعلق ہونے والی کانفرنس بظاہر نیک اور احسن انسانی جذبے کے تحت ہو رہی ہے۔ جس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ کسی طرح ترقی پذیر ممالک سے غربت کو ختم کیا جا سکے۔ لیکن میری رائے میں اس کانفرنس کے پروگرام آف ایکشن پر بہت کم عمل درآمد ہو گا۔ کیونکہ ترقی پذیر ممالک کے بااثر اور **ظالم سیاستدان اور ان کی مسلسل اور مستقل کاسہ لیسی کرنے والی نوکر** شاہی ذہنی طور پر اس بات کے لئے رضا مند نظر نہیں آتی کہ ترقی پذیر ممالک کے معاشروں سے غربت ختم ہو جائے۔ کیونکہ جس دن ان معاشروں کے غریب عوام معاشی

طور پر "خود مختار" اور "بیدار" ہو گئے تو پھر مراعات یافتہ طبقہ کے لئے حکومت کرنا مشکل ہو جائیگا۔"

آغا صاحب نے بالکل درست تجزیہ کیا ہے۔ اگر یہ طبقہ انسانوں کا اتنا ہی دوست اور ہمدرد ہوتا جتنا کہ اس کا دعویٰ ہے تو آج دنیا میں ہر طرف امن و سکون ہوتا۔ ہر شے کی فراوانی ہوتی اور ہر کوئی خوشحال نظر آتا۔ قرآنِ کریم نے اس شیطانی طبقے (جسے عوام برنبائے جہالت "ہز میجسٹی" اور "ہزا یکسیلنسی" جیسے خطابات سے نوازتے ہیں) کے خبثِ باطن کی کہیں زیادہ بلیغ انداز میں عکاسی کی ہے۔ کہا:-

..... تم ایسے محکم قول و اقرار کے باوجود باہمی خونریزیاں کرتے ہو' اور اپنے غریب بھائیوں کو ان کے گھروں سے باہر نکال کرتے ہو اور جب ان گھروں سے نکالے ہوئے غریبوں کو دوسرے لوگ پکڑ کر لے جاتے ہیں' تو تم بڑے خدا ترس بن کر آگے بڑھتے ہو' اور ان کا زرِ فدیہ ادا کر کے انہیں چھڑا لیتے ہو۔ اور اس سے سمجھتے یہ ہو کہ تم نے بڑا نیکی کا کام کیا۔ حالانکہ خود ان لوگوں کو انکے گھروں سے نکالنا وہ سنگین جرم تھا' جس سے تمہیں منع کیا گیا تھا ..... (البقرہ 85)

آج کوپن ہیگن میں جمع منافقین کے اس جم گھٹے سے کوئی پوچھے کہ یہ جو دنیا میں غربت' بیروزگاری اور ظلم و استحصال نظر آتا ہے' یہ کس کا پیدا کردہ ہے؟ یہ جو آج تم غریبوں اور مظلوموں کے غم میں گھل رہے ہو' ذرا یہ تو بتاؤ ! انہیں غربت کے جہنم میں کس نے دھکیلا ہے؟ غربت کسی خلائی کرے کی بیماری تو ہے نہیں ! نہ ہی اسے دیو مالائی قوتوں نے مسلط کر رکھا ہے۔ یہ تو اس غلط فلسفۂ زندگی اور غلط معاشی نظام کے اصولوں پر مبنی غلط نظامِ حیات کے شجرِ خبیثہ کا پھل ہے' جس کی تم دن رات اپنے مکر و فریب سے آبیاری کرتے ہو۔ اس نظام کو تو بدلنے پر تم آمادہ نہیں' اس کے اندر رہ کر اصلاح کی کوششیں کیسے بار آور ہو سکتی ہیں؟

یہ حقیقت کسی شرح کی محتاج نہیں کہ غربت اور سماجی ناانصافی' سرمایہ دارانہ نظام کا خاصہ (CHARACTERISTICS) ہیں۔ یہ اس نظام کی شناخت ہیں۔ ایک عام معاشی اندازے کے مطابق سرمایہ دار معاشرے میں ہر امیر کے مقابل بیس غریب ہوتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر امیر بننے کیلئے کم از کم 20 انسانوں کی محنت کا استحصال کرنا پڑتا ہے۔ غربت اور سماجی ناانصافی سے نجات حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ سرمایہ

ری نظام کو یکسر بدل دیا جائے۔ جس روز کرۂ ارض سے سرمایہ داری کا نظام مٹے گا اس روز غربت خود بخود ختم ہو جائیگی۔ یہی غربت کے خاتمے کا حقیقی حل ہے۔ اور آخرالامر ایسا ہو کر رہے گا۔ علامہ اقبالؒ نے کہا ہے۔

تدبّر کی فسوں سازی سے قائم رہ نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہو

کوپن ہیگن کے خوبصورت شہر میں جب یہ کانفرنس منعقد ہو رہی تھی تو وہاں کے باشندے ان منافقین کی آمد پر سراپا احتجاج بن گئے۔ شہر کے درو دیوار پر یہ نعرہ درج تھا:-

"EAT THE RICH - STOP HUNGER"

بھوک کے خاتمے کا حل یہ ہے کہ امیروں کو کھا جاؤ۔

جس طرح بچھو کی فطرت ڈنک مارنا ہے' اسی طرح ایک سرمایہ دار کی فطرت غریبوں کو ڈسنا ہے۔ دونوں اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہیں۔ غربت کا خاتمہ تو درکنار ایک امیر کے حیطۂ ادراک میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ دنیا سے غربت ختم کی جا سکتی ہے۔ اس کے لئے بوریہ نشینی اختیار کرنی پڑتی ہے اور پیٹ پر پتھر باندھنے پڑتے ہیں۔ یہ اڑھائی اڑھائی من کی لاشیں غربت کو کیا ختم کریں گی؟۔ یہ تو غلاظت کے چلتے پھرتے ڈھیر ہیں' جنہیں شاید قبر میں کیڑے مکوڑے بھی کھانا پسند نہ کریں۔ جمیل الدین عالی صاحب لکھتے ہیں:-

"مجھے یقین ہے کہ باستثنائے چند' ایسی کانفرنسوں میں اپنے اپنے وطن کی نمائندگی کرنے والے خوب جانتے ہیں کہ بالآخر نہ کچھ دینا دلانا ہے اور نہ ملنا ملانا ہے۔ بس تقریریں' مذاکرات' ہفوات' کا مظاہرہ کر کے واپس ہو جانا ہے۔ **ظالم و مظلوم کے مابین مذاکرے ظلم کم کرا دیا کرتے تو آج چھ ہزار برس کی نام نہاد تہذیبی تاریخ سے ظلم کا نام تک مٹ چکا ہوتا۔"**

ہمیں اہلِ مغرب سے گلہ نہیں' اس لئے کہ ان کا شعارِ زندگی ہی مادہ پرستی ہے۔ ان کا مذہب انہیں اس نظامِ حیات کی مکمل آزادی دیتا ہے اور وہ مادہ پرستی کو فطرتِ انسانی کے عین مطابق سمجھتے ہیں۔ ہمیں دیگر اہلِ دنیا سے بھی کوئی گلہ نہیں۔ اس لئے کہ ان کے سامنے اعلیٰ اقدار پر مبنی تصورِ حیات ہی نہیں ہے۔ وہ ابھی تک سطحِ حیوانیت سے بلند ہی نہیں ہو سکے۔ ہم تو اس بدبخت قوم سے گلہ مند ہیں جو اپنے آپ کو زندگی کی اعلیٰ اقدار کی امین و نگہبان سمجھتی ہے۔ جس کا دعویٰ ہے کہ ان کے پاس ایک ایسی کتابِ حکمت ہے کہ جس میں نوعِ انسان کو درپیش ہر مشکل اور ہر مسئلے کا حل موجود ہے۔ جس کے ایمان کی بنیاد اس

فلسفہء زندگی پر ہے کہ انسانی ذات کی نشوونما اور ارتقاء 'دینے' سے ہوتی ہے۔ 'لینے' سے نہیں! **اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى**۔ (اللیل۔ 18)

جس کا فریضۂ زندگی یہ تھا کہ خود بھوکا رہ کر دوسروں کی روٹی کا بندوبست کرنا ہے اور جان جوکھوں میں ڈال کر دوسروں کے امن و سلامتی کو یقینی بنانا ہے۔ **اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ** (قریش۔ 4)

جس کے ہادیؐ و رہبرؐ نے تمام زندگی اسی فلسفہ پر عمل کیا۔ خود بھوکا سویا دوسروں کو کھلا کر سلایا۔ خود جاگا، دوسروں کو چین کی نیند عطا کی! نہ محل بنوائے، نہ محافظ و دربان رکھے۔ نہ تخت و تاج کے مزے لئے، نہ طرب و نشاط کی محفلیں سجائیں! کھجور کی چٹائی پہ بیٹھ کر اور روکھی سوکھی کھا کر ایک عالم پر حکمرانی کی! نوع انسان جن بوجھوں تلے دبی چلی آرہی تھی انہیں اُتارا اور انسانی قلب و دماغ جن زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا انہیں توڑ کر آزادی دی۔ اور ایسا معاشرہ قائم کیا کہ جس میں ہر انسان بلا تمیز و تخصیص و تفریق، حدود اللہ کا پاس رکھتے ہوئے شرف و مجد کی جن بلندیوں تک بھی جانا چاہے، اس کے راستے میں کوئی روک نہ ہو!

ہم حیران ہیں کہ آج مسلمان کو کیا ہو گیا ہے۔ قرآن جیسا انمول ضابطۂ حیات اور موتیوں کی طرح نکھرا اسوۂ رسولؐ سامنے ہوتے ہوئے بھی تاریکیوں میں ٹک رہے ہیں۔ جب دیکھو مسجدوں میں بیٹھے یا آستانوں پہ کھڑے دعائیں مانگتے نظر آئیں گے۔ قرآنِ کریم کہتا ہے۔
كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ۔ ایسی بدنصیب قوم کو خدا کی طرف سے کیسے رہنمائی مل سکتی ہے جو ایمان لانے کے بد کفر کی راہ اختیار کر لیں۔ یعنی صحیح اسلامی نظام قائم ہو جانے کے بعد، پھر غیر اسلامی نظام کی طرف لوٹ جائیں۔ **وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ** در آنحالیکہ اس نظام کے درخشندہ نتائج نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ ان کے رسولؐ نے جو کچھ کیا تھا وہ کس قدر حقیقت پر مبنی تھا۔ **وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ**۔ سو ظاہر ہے کہ جو قوم صداقت کو اس طرح بے نقاب دیکھ کر اس کے بعد بھی اس نظام سے سرکشی اختیار کر جائے تو اس پر زندگی کی کامرانیوں کی راہ کس طرح کھل سکتی ہے۔ (آل عمران۔ 85)

مسلمان اگر اللہ تعالیٰ کی رسّی یعنی قرآن کریم کو، جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا، مضبوطی سے تھامے رکھتے اور اِدھر اُدھر نہ بھٹکتے پھرتے تو آج اقوامِ عالم کی امامت ان کے ہاتھ میں ہوتی۔ کاروانِ انسانیت کے راہبر یہ ہوتے۔! انسانیت کو درپیش مسائل کا حل اِن سے پوچھا جاتا! اور یہ کانفرنس کوپن ہیگن میں نہیں بلکہ مکتہ المکرمہ میں منعقد ہوتی۔ قرآنِ کریم میں اس بلد الامین کا صحیح مرتبہ (STATUS) یہی بیان ہوا ہے ......

مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ- (آلِ عمران- 95)_ یعنی وہ روشنی کا مینار کہ جس سے عالمگیر انسانیت کے سامنے زندگی کا صحیح راستہ آسکے- لیکن اس قوم نے قرآنِ کریم کی خالص تعلیمات سے رُوگردانی کی- ان سے گریز کی راہیں تلاش کیں- حکمرانوں کو ارباب' مولویوں کو رہبر اور جذبات کو منزل بنایا اور یوں جادۂ قرآنی سے بہت دُور نکل گئے- قرآنِ کریم نے انسانوں کے دائرہ کار کے لئے جو حدود مقرر کی تھیں ان کا از سرِ نو سروے کیا گیا- جہاں جہاں ملوکیت' سرمایہ داری اور مذہبی پیشوائیت کو خطرہ لاحق تھا ان کی مزید ناکہ بندی کی گئی تاکہ عوام بالکل پھڑک نہ سکیں- ایسا کرنے میں انہیں ذرہ بھر دشواری پیش نہ آئی- اپنی کذب بیانیوں اور اختراء پردازیوں کو سنتِ نبویؑ کا مقدس نام عطا کر کے قرآن کے ساتھ مثلہ' معہ' کا درجہ دیدیا- دیگر اقوام کی طرف بھی آسمانی رہنمائی نازل ہوئی تھی لیکن کسی نے بھی اس کا یہ حشر نہیں کیا- اگرچہ انہوں نے احکامِ خداوندی میں تحریف کی انتہا کر دی اور اپنی کتبِ سماوی کو کچھ کا کچھ بنا دیا' لیکن بین اللہ و رسولہ' یہ تضاد و تفرقہ نہیں پیدا کیا کہ خدا کچھ کہے اور اس کا رسول کچھ ! انہوں نے خدا کے دین کو اس ظلم سے محفوظ رکھا- یہی وجہ ہے کہ ہم نہ تورات کے ساتھ سنتِ موسویؑ اور نہ انجیل کے ساتھ سنتِ مسیحؑ دیکھتے ہیں- یہ کارنامہ مسلمانوں نے کر دکھایا- شاید اس لئے کہ قرآن میں تحریف کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی- اس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے رکھا ہے-

قرآنی اقدار اور اصول و احکام کی اصل غرض و غایت یہ تھی کہ دنیا میں خبیث انسان' طیب انسانوں کے لئے قدم قدم پر جو مسائل پیدا کرتے رہتے ہیں ان کا تدارک کیا جا سکے- یہ دین کسی دیو مالائی مذہب کی طرح دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے چند رسومات ادا کرنے کا نام نہیں تھا- یہ زندہ جاوید نظامِ حیات ہے اور اس کے عقائد و نظریات اور احکام و ضوابط کے نتائج معاشرے میں محسوس طور پر نظر آنے چاہئیں- مثال کے طور پر زکوٰۃ کے فلسفہ کو لیجئے'یہ بنک میں سال بھر جمع شدہ پونجی پر اڑھائی فیصد کٹوتی تک محدود نہیں تھا بلکہ ایک ایسے اقتصادی اور معاشی نظام کے قیام کا متقاضی تھا کہ جس میں افرادِ معاشرہ کی صلاحیتوں کی برُومندی اور نشوونما بھرپور انداز میں ہو اور محتاجوں کی ضروریاتِ زندگی خیرات کے ذریعے نہیں بلکہ بطور استحقاق پوری ہوں تاکہ ہر فرد کی عزتِ نفس محفوظ رہے- اس نظام میں غنی (HAVES) اور محتاج (HAVES NOT) کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا- یا تو سب محتاج ہونگے یا سب اغنیاء ! یہ اس کی پہچان ہے- اگر کوئی نظام اس کسوٹی پر پورا نہیں اترتا تو وہ اسلامی نظام نہیں کہلا سکتا- یہ تفریق مشیتِ خداوندی کے سراسر خلاف اور فلسفۂ زکوٰۃ کی صریحاً" تکذیب ہے- اللہ اور رسول کے نزدیک جس معاشرے میں اُونچ نیچ ہو اگر اس کا بچہ بچہ بھی زکوٰۃ ادا کرے تو تب بھی وہ معاشرہ اسلامی نہیں کہلا سکتا- ایک مسلمان کے لئے قطعی

جائز نہیں کہ ایک ضرورت مند کی موجودگی میں وہ اپنی جیب بھر کر رکھے۔ سورۃ النحل کی آیت 71 میں اس حقیقت کو نہایت بلیغ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں کہا یہ گیا ہے:

... جو لوگ اکتسابِ رزق کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ اپنی فاضلہ دولت ان لوگوں کو واپس کر دیں جو ان کے زیرِ ہدایت کام کرتے ہیں تاکہ خدا کی عطا کردہ معاشی سہولتوں میں سب لوگ برابر کے شریک ہو سکیں...

(..... **فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ** ......)

ہم احکامِ خداوندی میں تخصیص کے روادار نہیں ہیں۔ ہمارے نزدیک ہر حکمِ خدا برابر کی اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن موجود معاشی ظلم و استحصال کو مدنظر رکھتے ہوئے' بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ خدا کا یہ حکم قرآنی معاشی نظام کی اساس ہے۔ **فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ** ..... اس نوع کی معاشی مساوات جب تک قائم نہیں کی جائیگی سماجی ناانصافی اور غربت کے خاتمے کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو گا۔

یہ بات ہر مسلمان کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ سرمایہ داری کا نظام اللہ و رسولؐ کے تجویز کردہ معاشی نظام کے خلاف بغاوت ہے۔ اور مسلمان کو حکم ہے کہ اس کا سہارا مت بنو۔ اس کے خلاف اعلان جنگ کر دو! اس نظام کے اندر رہ کر سماجی انصاف کے حصول اور غربت کے خاتمے کی ساری کوششیں خاسر و نامراد ہوں گی۔ ایک ہندو' عیسائی یا یہودی کے عمل کی یہ منطق تو قابلِ فہم ہو سکتی ہے کہ ایک متشدد سرمایہ دارانہ نظام کے باوجود وہ دنیا سے غربت کے خاتمے کی کوششیں کر رہا ہے۔ لیکن ناطقہ سربگریباں اسے کیا کہیے کہ خود مسلمان بھی ان کے ساتھ اس کوشش میں برابر کا شریک ہے۔ زندگی کے عام معاملات میں تو اس کی کیفیت یہ ہے کہ ہر روز ہر نماز میں اس کے لبوں پہ یہ دعا ہوتی ہے کہ اے خدا! مجھے اس راہ سے بچانا جس پر یہود و نصاریٰ چل رہے ہیں۔ **غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ** ط اور پھر' مزے کی بات یہ ہے کہ صرف اتنا کہنے سے تسلی نہیں ہوتی۔ آمین بالجہر کے ذریعے پورے اہل محلّہ کو بھی اپنی اس نفرت سے آگاہ کرتا ہے۔ لیکن روپے پیسے کے معاملے میں انہیں اپنا ولی اور ناصر بنا رکھا ہے۔ وجہ صاف ظاہر ہے' آج کا مسلمان کہنے کو تو دن بھر میں ہزار مرتبہ لا الٰہ کہتا ہے۔ آتی جاتی سانس میں یہ کلمات برلبِ زبان ہوتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت ہر ایک نے اللہ کے ساتھ کئی دیگر اِلٰہ تراش رکھے ہیں۔ بعض نے ملکی آقاؤں کو اِلٰہ کا درجہ دے رکھا ہے' بعض نے احبار و رہبان کے طوق گلے میں ڈال رکھے ہیں۔ اور بعض کی نکیل ان کے

…یت کے ہاتھ میں ہے۔ ان متنوع اور متشدد الٰہ کی موجودگی میں مسلمان الا اللہ کی حقیقی منزل تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ آج کے مسلمان اور ایک عام پجاری کے درمیان کوئی بھی مابہ الامتیاز قدر باقی نہیں رہی۔ ان پجاریوں کی طرح مسلمان بھی چند رسومات ادا کر کے مطمئن ہو جاتا ہے کہ دین کے تقاضے پورے ہو گئے ! پجاریوں کو صرف پوجا پاٹ سے غرض ہوتی ہے۔ انہیں یہ پرواہ نہیں ہوتی کہ خدا کے نام پر کئے گئے عمل کا نتیجہ معاشرے میں محسوس طور پر نظر آنا چاہئے۔ یہ اعجاز قرآنِ کریم کا ہے۔ جو نہ صرف عمل کا تقاضا کرتا ہے بلکہ فرض قرار دیتا ہے کہ اپنے اعمال کے نتائج گھر گھر جا کر چیک کرو۔ اپنے عمل کے نتیجے کو یقینی بناؤ۔ اس ضمن میں ارشاد ہے۔ **اِنَّ اللّٰہَ یَامُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ** ...... (النحل 16_ 90)_ اللہ تمہیں عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔ عدل، یعنی ہر ایک کا پورا پورا حق دو اور **احسان**۔ کسی وجہ سے کوئی کمی رہ جائے، اس کمی کو پورا کرو خواہ اس کے لئے حق سے زیادہ دینا پڑے۔ اور اس طرح معاشرے کے توازن کو قائم رکھو۔ احسان۔ حسن سے ہے اور حسن۔ توازن کا نام ہے۔ قرآنِ کریم کے نزدیک اعمالِ حسنہ کا نتیجہ معاشرتی حسن اور توازن کی شکل میں سامنے آنا چاہئے۔ اس کے لئے کہا۔ **هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ**۔ "جو حسن پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، جب حسن پیدا ہو جاتا ہے تو یہی چیز اس کی کوششوں کا صلہ بن جاتی ہے۔ (الرحمٰن_ 60)_ جب حسن جلوہ افروز ہوتا ہے تو وہ محتاجِ بیاں نہیں ہوتا، نظر آتا ہے۔ یہ وہ فلسفہ، اصول اور روش ہے جو ایک مسلمان کو عام انسانوں پر فضیلت عطا کرتی ہے۔ جب تک مسلمان اس فلسفہ و اصول پر عمل پیرا رہا، شرفِ انسانیت کی بلندیوں پر رہا۔ آج بھی یہ وہی تفوز و تفاخر حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اسے دوبارہ خالص قرآن کی طرف رجوع کرنا پڑیگا۔ تمام انبیائے کرامؑ کا یہی شیوہ رہا ہے۔ آپؐ حضرات وحئ خداوندی کو ہر طرح کی آمیزش سے پاک رکھتے۔ اس میں نہ اپنے جذبات کو داخل ہونے دیتے اور نہ مصلحت کے تقاضوں کو اثر انداز ہونے دیتے۔ ان کا کام معاشرے میں احکامِ خداوندی کے مطلوبہ نتائج پیدا کرنا ہوتا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے آپ خود بھی خالص وحئ خداوندی پر عمل کرتے اور دوسروں سے بھی اسی کا تقاضا کرتے۔

تحریکِ طلوعِ اسلام انہی مقتدر ہستیوں کے مشن کی علمبردار ہے ...... **فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ** ط (الانعام_ 91)_ یہ تحریک قرآنِ کریم کے احکام پر مبنی نظام کے قیام کے لئے کوشش کر رہی ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے یہ عام سیاستدانوں کی طرح نہ تو جھوٹے وعدے کرتی ہے، اور نہ لالچ دلاتی ہے۔ نہ مولویوں کی طرح غضبِ خداوندی اور عذابِ جہنم کی وعیدیں سنا کر دہشت پھیلاتی ہے اور نہ پیرانِ کامل کی طرح ہتھیلی پہ سرسوں جمانے کی مدعی ہے ! تحریکِ طلوعِ اسلام اس قسم کا کوئی دھندہ نہیں کرتی۔ یہ صرف خالص قرآنی

تعلیمات پیش کرتی ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ انسان کے جذبات اور خواہشات کی تربیت کی جائے' اس کی خامیوں اور کمزوریوں کو رفع کر کے اس کی صلاحیتوں کی نشوونما کی جائے تاکہ اس کی زندگی مخلوقِ ارضی بالخصوص نوعِ انسان کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید اور کار آمد ثابت ہو۔

یاد رکھئے ! نظام قائم کئے بغیر انفرادی کوششیں ثمر بار نہیں ہونگی اور بغیر افراد کے تعاون کے کوئی نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ کوپن ہیگن کے اعلامئے میں جن مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے انہیں صرف قرآنِ کریم پر مبنی نظام حل کر سکتا ہے۔ اس نظام کو قائم کیجئے۔ پھر دیکھئے کہ کس طرح

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا ○

گفٹ سکیم

گفٹ سکیم میں آپ کی اعانت سے کالج اور پبلک لائبریریوں کو پرچہ مفت ارسال کیا جا رہا ہے جس کے لئے سال رواں میں 96,000 روپے درکار ہیں۔ شیدایانِ فکرِ قرآنی سے التماس ہے کہ قرآنی فکر کی نشرواشاعت کی ضرورت کے پیش نظر اس فنڈ میں عطیات جتنی جلد ہو سکے' ارسال فرمائیں تاکہ یہ سلسلہ منقطع نہ ہو۔

چیئرمین ادارہ طلوع اسلام

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

علامہ اسلم جیراجپوری

عید الاضحیٰ کیوں منائی جاتی ہے

عید الاضحیٰ حج کے سلسلہ میں منائی جاتی ہے۔ کل 9 ذی الحجہ کو میدانِ عرفات میں جو مکہ سے 15 میل کے فاصلہ پر ہے حج کا اجتماع ہوا ہے۔ وہاں سے سورج ڈوبنے کے وقت حاجیوں کا قافلہ روانہ ہو کر رات کو مزولفہ میں آکر ٹھرا ہے اور آج وہ مزولفہ سے منیٰ کے مقام میں آیا ہو گا جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ وہاں حاجی لوگ حج کے فریضہ کو ادا کر لینے کی خوشی میں ابراہیمی رسم کو تازہ کریں گے اور تین دن تک اللہ کے نام پر قربانیاں کر کے خود بھی کھائیں گے اور اپنے دوستوں اور غریب اور محتاج بھائیوں کو بھی کھلائیں گے۔ اس حج کے ادا ہونے کے شکریہ میں ساری دنیا کے مسلمان خواہ وہ کسی ملک میں بستے ہوں اور کسی قوم کے ہوں' عید کا دوگانہ پڑھتے ہیں اور اپنے ان بھائیوں کی خوشی میں جنہوں نے بیت اللہ پہنچ کر حج ادا کیا ہے شرکت کرتے ہیں۔

اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ حج کیا ہے اور اس کی اہمیت اسلام میں اس قدر کیوں ہے کہ اس کی ادائیگی پر ساری امت عید مناتی ہے' شکریہ کا دوگانہ پڑھتی اور اس کے نام پر قربانیاں کرتی ہے۔ یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ اسلام کے پانچ رکن ہیں۔ کلمۂ توحید۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ اور حج۔ اور ہر رکن ایک خاص مقصد کے لئے ہے۔ ان میں سے حج ملتِ اسلامیہ کی "اجتماعی ترقی اور اصلاح" سے تعلق رکھتا ہے۔ دراصل یہ دنیا کے تمام مسلمانوں کا سالانہ بین الاقوامی اجتماع ہے جس میں آپس میں مل جل کر ہر قسم کے دینی' دنیاوی' علمی اور عقلی فائدے حاصل کئے جا سکتے ہیں اور ملت میں جو جو خرابیاں واقع ہوں ان کی اصلاح کی جا سکتی ہے۔

اس کا مرکز بیت اللہ یعنی کعبہ ہے جو شہر مکہ میں ہے اور جس کی بنیاد خالص توحید یعنی اکیلے اللہ کی معبودیت پر رکھی گئی ہے اور جس کی طرف تمام دنیا کے مسلمان رخ کر کے اپنی نمازیں پڑھتے ہیں۔ اس توحید کے گھر کو اللہ نے یہ خصوصیت بخشی ہے کہ وہاں پہنچ کر مسلمان کے دل میں اللہ کا ایسا ڈر پیدا ہوتا ہے جس کا گمان اور اندازہ بھی دوسری جگہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے یہاں جو کچھ وہ کہے گا یا کریگا اس کی بنیاد نیک

...تی پر ہو گی۔

کعبہ کی تعمیر اور حج کا تاریخی تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے ہے جن کو گزرے ہوئے آج کم و بیش چار ہزار سال کا زمانہ ہوا۔ ان کو اللہ نے جب توحید کی روشنی بخشی اور اپنا رسول بنایا اس وقت ان کے گھر، کنبہ اور بستی کے لوگوں نے ان کی مخالفت کی۔ یہاں تک کہ ان کی دشمنی سے تنگ آکر انہوں نے اکیلے اللہ کی خاطر اپنے باپ خاندان اور وطن کو چھوڑ دیا۔ وہ جس وقت حجاز کے اس بنجر حصہ میں اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو ساتھ لیکر آئے اس وقت اللہ کے حکم سے ان دونوں باپ بیٹوں نے دلی دعاؤں کے ساتھ اکیلے اللہ کی عبادت کے لئے کعبہ تعمیر کیا۔ یہی دنیا میں مؤحدوں کی یعنی اکیلے اللہ کے ماننے والوں کی سب سے پہلی مسجد ہے۔ اللہ نے ان کی دعائیں قبول کیں اور اس گھر کو بڑی برکت دی۔ اور حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کر دو کہ اپنے فائدوں کی خاطر حج کے لئے آیا کریں۔

اس اعلان کے بعد حج شروع ہوا۔ اور عرب کے باشندے یہاں سالانہ حج کے لئے آنے لگے اور یہی ان کا سب سے بڑا دینی اور قومی تیوہار ہو گیا' جس میں تمام قبیلوں کے رؤساء بھی آکر شریک ہوتے تھے۔ اگر کوئی نہیں آسکتا تھا تو اپنا قائم مقام بھیج دیتا تھا' کیونکہ اسی موقع پر اس کے سارے قومی معاملے مثلاً قبیلوں کے جھگڑے' باہمی خونوں کے مقدمے اور سرداری کے تنازعے وغیرہ چکائے جاتے تھے۔ علاوہ بریں خرید و فروخت اور تجارت کی بھی گرم بازاری رہتی تھی۔ آخر میں صدیوں پر صدیاں گزر جانے کی وجہ سے اس میں بہت سی خرابیاں پڑ گئی تھیں۔ کیونکہ حج عرب کے باشندے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کی رہنمائی میں کرتے تھے جو مکہ میں کعبہ کی مجاور تھی اور قریش کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ یہ لوگ دین کی حقیقت سے ناواقف ہو گئے تھے اور ان پڑھ تھے۔ انہوں نے اس حج کو جس کی بنیاد اکیلے اللہ کی معبودیت پر تھی مشرکانہ رسموں کا مجموعہ بنا لیا تھا اور کعبہ میں جو توحید کا گھر تھا سینکڑوں بت لا کر رکھ دیئے تھے جن کی پوجا ہوتی تھی۔ جب قریش کے گھرانے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور اللہ نے ان کو اپنا سب سے آخری اور سارے جہاں کے لئے رسول بنایا' تو ان کی امت پر بھی حج فرض کر دیا۔ یعنی ہر مسلمان پر جو مکہ تک جانے آنے کی طاقت رکھتا ہو زندگی میں ایک بار حج کرنا لازم ہے۔ انہوں نے اللہ کے حکم سے پھر اس حج کو شرک کی رسموں سے پاک کر کے اس کی اصلی شکل میں قائم کیا۔ 9 ہجری پہلا سال ہے جس میں عہدِ ابراہیمیؑ و اسماعیلیؑ کے بعد صحیح طریقہ سے یہ فریضہ ادا کیا گیا۔ اس حج میں امیر حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے اور نقیب حضرت علیؓ۔ دوسرے سال یعنی 10 ہجری میں خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا کیا جس میں تقریباً سوا لاکھ مسلمان شریک تھے۔

یہ رکن، یعنی حج چونکہ اسلام اور ملت کے ہر طرح کے اجتماعی فائدوں کے لئے ہے اس لئے اس کی بہت بڑی دینی اہمیت ہے۔ سال کا ایک چوتھائی حصہ یعنی شوال۔ ذی قعد۔ اور ذالحجہ تین مہینے اس کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں۔ حج کی نیت کرنے والے خالص توحید اور اکیلے اللہ کی رضا مندی حاصل کرنے کے لئے جائیں۔ نہ لڑیں۔ نہ جھگڑیں نہ بد زبانی کریں اور کعبہ پہنچنے سے سینکڑوں میل پہلے ہی سے مقررہ میقاتوں یعنی مقاموں سے مراد بے سلا ہوا جامۂ احرام پہن لیں۔ ایک لنگی اوپر اور ایک لنگی نیچے، تاکہ امیر و غریب، آقا و غلام اور شاہ و گدا کا فرق باقی نہ رہے اور سب برابر کے بھائی ہو کر اسی ایک لباس میں لبیک لبیک یعنی حاضر حاضر پکارتے، اپنے مالک کے آستانہ میں آن موجود ہوں۔

وہاں سب سے پہلا کام جس سے حج شروع کیا جاتا ہے یہ ہے کہ سات بار کعبہ کے اردگرد طواف کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس کی توحید پر جس کی عبادت کے لئے یہ گھر بنایا گیا ہے نثار کرتے ہیں کہ اگر جان بھی دینی پڑیگی تو اس سے نہیں پلٹیں گے۔

طواف کے بعد حج کے دوسرے فرائض مکہ ہی میں ادا کئے جاتے ہیں۔ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو حاجیوں کا قافلہ مکہ سے روانہ ہوتا ہے۔ 9 تاریخ کو عرفات کے میدان میں سب جا کر جمع ہو جاتے ہیں۔ اسی اجتماع کا نام حج ہے۔

حج کی ایک بڑی غرض یہ ہے کہ دنیا کی مسلمان قوموں کے نمائندے جو وہاں پہنچیں آپس میں مل کر باہمی تعلقات پیدا کریں اور ان کو یہ علم ہو جائے کہ وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کی کیا مدد کر سکتے ہیں یا ان سے کیا مدد لے سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ خلفاء و امراء ملکی اور انتظامی معاملات میں باہم مشورے کریں اور رعایا کی شکایتیں۔ ضرورتیں اور خواہشیں ان کو معلوم ہوں۔ اس لئے حج میں ملکی، ملی، دینی اور دنیاوی ہر طرح کے فائدے ہیں۔ جب تک اسلامی حکومت قرآن کے مطابق تھی، صوبوں کے حکام حج کے موقع پر مکہ میں آتے تھے اور اکثر خلیفۂ وقت امیر الحج ہوتا تھا۔ اگر کسی وجہ سے وہ نہیں آسکتا تھا تو کسی کو قائم مقام بنا کر بھیجتا تھا۔ الغرض حج مسلمانوں کا سب سے بڑا ملی اور دینی اجتماع ہے جس میں دنیا کی چاروں سمتوں سے ہر ملک کے مسلمان دور دراز ملکوں سے جنگل، بیابان کوہ اور دریا طے کرتے ہوئے مکہ میں آکر جمع ہوتے ہیں جن کی نیت خالص یہی ہوتی ہے کہ اللہ کی توحید کے کلمہ کو بلند کریں۔ اس لئے تمام دنیا کے مسلمانوں کی نگاہیں اپنے ان نمائندوں کی طرف لگی رہتی ہیں کہ وہ توحید کی سربلندی اور ملت کی بہتری کے لئے کیا کیا سوچتے اور کیا کیا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ جماعت حج سے فارغ ہو کر دس تاریخ کو یعنی آج کے دن منیٰ کے مقام میں آکر حج ادا کرنے کی خوشی مناتی ہے تو ساری دنیا کے مسلمان اس خوشی میں ان کے

ساتھ شرکت کرنے کے لئے اپنے اپنے ملکوں اور اپنی اپنی بستیوں میں عید مناتے' شکریہ کا دوگانہ پڑھتے اور قربانیاں کر کے کھاتے اور کھلاتے ہیں جس سے اس بات کا اظہار مقصود ہے کہ حاجیوں نے حج کا اجتماعی فریضہ جو ادا کیا ہے اس میں تمام ملت ان کے ساتھ ہے۔

ایک مدت سے جس طرح مسلمانوں کے دوسرے دینی کام بے روح اور بے جان ہیں اور محض رسمی طور پر آخرت کے ثواب کی غرض سے کئے جاتے ہیں اور دنیاوی فائدوں سے خالی ہو گئے ہیں وہی حال حج کا بھی ہے لیکن باوجود اس کے مسلمانوں نے مشکل سے مشکل اور سخت سے سخت زمانوں میں بھی اس کو جاری رکھا ہے اور برابر ادا کرتے چلے آتے ہیں۔ اس لئے امید ہے کہ اللہ پھر ان کے کاموں میں جان ڈال دیگا۔ اور وہ صحیح معنوں میں حج ادا کرنے لگیں گے۔

(کاش مسلمان ممالک اس موقع پر ایک بین الملی صنعتی نمائش کا اہتمام بھی کر سکیں۔ جو حج کے مقاصد حاصل کرنے میں ایک اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ ایڈیٹر)

ضرورت رشتہ

1- لڑکا۔ خوش شکل۔ عمر 26 سال۔ مستقل ملازم .O.G.D.C_ مشاہرہ 4500 روپے۔ مستقل رہائش اسلام آباد۔

مطلوبہ رشتہ :- قرآنی فکر سے روشناس' بی اے بی ایڈ' یا ایف اے سی ٹی لڑکی۔

رابطہ :- نمائندہ بزم چک 215/EB براستہ گگو' تحصیل بوریوالہ' ضلع وہاڑی

2- لڑکا۔ خوش قامت۔ بی کام' عمر 26 سال۔ علمی گھرانہ۔ لاہور میں اپنا مکان۔ اپنا کاروبار۔ خود کفیل۔ خود مختار۔

مطلوبہ رشتہ :- زمیندار فیملی سے ترجیحاً" گریجویٹ لڑکی۔

3- قرآنی مسلکِ حیات کی حامل' سلیقہ شعار' تعلیم یافتہ' امور خانہ داری میں ماہر دوشیزہ' عمر 25 سال کیلئے قرآنی فکر کے حامل برسر روزگار متوسط گھرانے کا رشتہ درکار ہے۔

رابطہ :- ناظم ادارہ طلوع اسلام لاہور' 25-بی گلبرگ 2 - لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقد و نظر

نام کتاب : وفیات مشاہیر پاکستان
مرتبہ : پروفیسر محمد اسلم
ناشر : مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد

کتاب زیر نظر 14 اگست 1947ء سے 14 اگست 1987ء تک وفات پانے والی پاکستانی شخصیات کے تعارف پر مبنی ہے۔ فاضل مرتب کی کاوش قابل قدر ہے لیکن معلومات جمع کرتے وقت انہوں نے ان مشاہیر کی اپنی تحریروں سے کسی حوالے کی ضرورت محسوس کی ہے نہ ہی صحافتی دیانت کو ملحوظ خاطر رکھا ہے، مثال کے طور پر علامہ غلام احمد پرویزؒ کا تعارف جن الفاظ میں پیش کیا گیا ہے وہ یوں ہیں۔

"غلام احمد پرویز: مصنف، مفسر، مدیر طلوع اسلام لاہور۔ فرقہ "پرویزی" کا بانی۔
ولادت 1903ء بٹالہ۔ وفات 24-2-1985 گلبرگ لاہور (جنگ لاہور 25 فروری 1985ء)

روزنامہ جنگ بابت 25 فروری 1985ء کا تراشا جس سے فاضل مرتب نے جناب غلام احمد پرویز کے "فرقہ پرویزی" کے بانی ہونے کی خبر اخذ کی ہے درج ذیل ہے۔

"<u>مشہور سکالر غلام احمد پرویز انتقال کر گئے</u>

لاہور (نمائندہ جنگ) ادارہ طلوع اسلام کے بانی اور مخصوص طرز فکر کے مذہبی سکالر چوہدری غلام احمد پرویز اتوار کی شام لاہور میں طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ ان کی عمر 82 سال تھی۔ مرحوم کا شمار مسلم لیگ کے ان کارکنوں میں ہوتا تھا جنہوں نے قیام پاکستان سے قبل فکری محاذ پر کام کیا۔ قیام پاکستان سے قبل وہ انڈین سروس سے وابستہ رہے اور پاکستان قائم ہونے کے بعد بھی وہ ایک عرصے تک مختلف سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔ غلام احمد پرویز 1903ء میں بٹالہ میں پیدا ہوئے ان کا تعلق ایک مذہبی گھرانے سے تھا اور ان کے اپنے بقول ان کے دادا انہیں مذہبی تعلیم دلا کر طریقت و سلوک کی منزل طے کرانا چاہتے تھے۔ انہوں نے علامہ اقبال سے بھی علمی فیض حاصل کیا اور مسلم لیگ کی فکری تائید و حمائت کی غرض سے طلوع اسلام

کا اجراء کیا۔ منفرد طرز نگارش اور مخصوص نقطہ نظر کے باعث مختلف مکاتب فکر کے ایک ہزار علمائے کرام نے ان کے خلاف فتویٰ بھی جاری کیا۔ حدیث کے بارے میں ان کا مخصوص نقطہ نظر ہمیشہ دینی حلقوں میں ناپسند کیا گیا اور یہ فتویٰ بھی اس سلسلے کی ایک کڑی تھا۔ مرحوم غلام احمد پرویز 50 سے زائد علمی کتب کے مصنف تھے ان کے مضامین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ ان کی کوئی اولاد نہیں اور وہ اپنے حلقے کے نوجوانوں کو اپنی اولاد قرار دیتے تھے۔ مرحوم آج کل مطالب القرآن کی ترتیب کے سلسلے میں سورہ یوسف پر کام کر رہے تھے۔ ان کی نماز جنازہ پیر کی شام 4 بجے' 25۔ بی گلبرگ میں ان کی رہائش گاہ پر ادا کی جائے گی۔
"

فاضل مرتب نے یہ کچھ اس سکالر کے لئے لکھا جن کی ساری زندگی فرقہ واریت کے خلاف جہاد کرنے میں بسر ہوئی۔ ان کے نزدیک :-

"قرآن کا منتہیٰ و مقصود وحدتِ انسانیہ ہے۔ یعنی اقدار خداوندی کے تابع نوع انسانی کو ایک مرکز پر جمع کرنا تاکہ ان فساد انگیزیوں اور خون ریزیوں کا خاتمہ ہو جائے جو انسانوں کے مختلف ٹکڑوں میں بٹ جانے کا فطری نتیجہ ہیں۔ اس کے لئے وہ آغازِ کار کے طور پر ایک امت کی تشکیل کرتا ہے۔ جسے وہ امت مسلمہ کہہ کر پکارتا ہے۔ اس امت کی وحدت توحید کی مظہر ہے۔ اسی لئے تفرقہ (فرقہ بندی) اس کے نزدیک شرک اور کفر ہے"۔ (اقتباس از مطالب الفرقان جلد اول صفحہ 172)

پرویزؒ صاحب کا تعلق نہ کسی فرقے سے تھا' نہ ہی آپ نے کوئی نیا فرقہ بنایا۔ آپ ہمیشہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے۔ آپ کا فرمان ہے کہ "میرا تعلق کسی مذہبی فرقے سے نہیں۔ میں فرقہ بندی کو از روئے قرآن شرک سمجھتا ہوں۔ میں صرف مسلمان ہوں اور قرآنِ کریم کا طالب علم۔ اس طلبِ علم قرآنی کے سلسلے میں میرا یہ ایمان ہے کہ کسی خاص عقیدہ' نظریہ یا تصور کو پہلے سے ذہن میں جاگزیں کر کے قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرنا بھی شرک ہے۔ قرآن کی طرف خالی الذہن ہو کر آنا چاہئے۔ اور اس طرح اس کی بارگاہ سے جو تعلیم ملے اس کی صداقت پر ایمان رکھنا چاہئے۔ (اقتباس از مطالب الفرقان جلد پنجم صفحہ 67)۔

پرویزؒ صاحب فرقہ بازی اور فرقہ سازی کو بڑا تباہ کن سمجھتے تھے۔ آپ نے اس قدر احتیاط سے کام لیا کہ اپنے ریسرچ سنٹر کے پنڈال میں مسجد نہیں بنوائی بلکہ آپ کے محلے میں جو مسجد موجود تھی' اسی میں نماز ادا کرنے کی تائید فرماتے رہے۔

آپ کا پختہ یقین تھا کہ اگر قرآنِ کریم کو (جو تمام فرقوں کے درمیان مشترک علیہ ہے) بنیاد قرار دے دیا جائے تو امت مسلمہ فرقوں کی معرکہ آرائیوں سے نجات پا جائے گی اور ایک امت واحدہ بن جائے گی۔

سرسید احمد خانؒ اور علامہ اقبالؒ نے اپنی فکر کو تعلیم کے ذریعے عام کیا۔ اور تمام مسلمانوں کو اپنی پارٹی جانا۔ اس طرح سیاسی پارٹی بازی اور مذہبی فرقہ بندی سے بلند ہو کر مسلمانوں کی اجتماعیت پر اپنا اثر ڈالا۔ قائداعظمؒ نے اس کام کو آگے بڑھایا۔ اور فرقہ بندی کے بغیر مسلم لیگ کے عظیم پلیٹ فارم کو استعمال کیا' جس میں تمام مذہبی فرقوں کے لوگ شامل ہو گئے۔ اس طرح اس عظیم صراطِ مستقیم کی کچھ نشاندہی ہو گئی کہ مسلمانوں کو کیسے متحد رہنا چاہئے۔ تحریکِ پاکستان کے کردار میں علامہ پرویزؒ پیش پیش رہے۔ جس کے باعث حکومت پنجاب نے ان کی وفات کے بعد' 14 اگست 89ء کو انہیں تحریک پاکستان کے گولڈ میڈل سے بھی نوازا۔ (بحوالہ حکومت پنجاب کی شائع کردہ کتاب تحریک پاکستان گولڈ میڈل 1989ء)

حضرت قائداعظمؒ کے نزدیک پرویزؒ صاحب کا کیا مقام تھا اس کی ایک جھلک قائداعظمؒ کے 14 جون 1947ء کے تحریر کردہ اس خط سے ملتی ہے جس میں انہوں نے پرویز صاحب سے پاکستان کے مستقبل کے سیکرٹریٹ کے لئے مناسب افسروں کے انتخاب کے لئے سفارش طلب کی تھی۔ (بحوالہ مذکورہ بالا اور کتاب "تحریک پاکستان اور پرویز" شائع کردہ طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور)

ان سطور کی اشاعت کے بعد ہم امید کرتے ہیں کہ مقتدرہ قومی زبان۔ اسلام آباد' جو اس مملکت پاکستان کا ایک قومی ادارہ ہے جس کی تشکیل میں خون پرویز بھی شامل ہے' کتاب ہذا کی آئندہ اشاعت میں جناب پرویز کے متعلق فاضل مولف کے غیر حقیقی جملے کو حذف کر کے دیانتداری کا ثبوت دے گی اور مستقبل میں اپنے خرچ پر شائع ہونے والی تحقیقی کتابوں میں ایسے غیر مستند اور خلافِ حقیقت مواد کو شامل کرنے سے اجتناب برتے گی۔

(محمد ارشاد مری)

ضروری اطلاع

پیشگی کھاتہ داران کو ان کے بقایا جات کی اطلاع دی جا چکی ہے' ان سے التماس ہے کہ وہ اپنے واجبات فوری طور پر ادا فرما دیں۔

(چیئرمین ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منظور احمد (ناروے)

غیر مذہبی باتیں

تاریخ گواہ ہے کہ انسانوں نے جب سے مل جل کر رہنا شروع کیا ہے تب ہی سے ان کے مابین کسی نہ کسی شکل میں تنظیموں اور تحریکوں کا وجود جاگزیں رہا ہے۔ ان تحریکوں میں کچھ لوگ تو ایسے ہوتے ہیں جو بقول شخصے "خلق پس دیوانہ' دیوانہ پس کار" کا جذبہ رکھتے ہیں اور کچھ ایسے کہ جن کا وطیرہ ہی یہ ہوتا ہے کہ "نہ کھیڈاں گے نہ کھیڈن دیاں گے"۔ ماہرینِ نفسیات کے مطابق دوسری قسم کے لوگ بیمار ذہنیتوں کے مالک اور عادت کے ہاتھوں مجبور ہوتے ہیں۔ ویسے یہ لوگ بلا کے ذہین ہوتے ہیں مشکل سے مشکل صورت حالات میں بھی فرار کی راہیں تلاش کر لینا ان لوگوں کے لئے کچھ مشکل نہیں ہوتا۔ پشتو میں ایک کہاوت ہے کہ "مجھے بارات کے ساتھ جانے میں کوئی عذر نہیں۔ بس اتنا ہے کہ دولہا ساتھ نہ جائے"۔ یہی ذہنیت ان لوگوں کی ہوتی ہے۔ اپنی چرب زبانی کی بنا پر یہ لوگ تحریک کے ساتھ مخلص نہ ہوتے ہوئے بھی تحریک کے بہی خواہوں میں شمار ہوتے ہیں اور موقع ملتے ہی تحریک کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیتے ہیں۔ ان حضرات کے عمومی رویوں کا مطالعہ کر کے راقم نے ان کے "طریقہ واردات" Modus Oprandi کا ایک اجمالی سا خاکہ تیار کیا ہے' جسے آپ ان حضرات کا "کوڈ" کہہ سکتے ہیں۔ ان کے اس کوڈ کو ذہن میں رکھئے تاکہ انہیں پہچاننے میں آپ کو دقت نہ ہو۔

1- جس تحریک سے آپ متعلق ہیں' اس تحریک کا لٹریچر کبھی مت خریدیں۔ خریدنا پڑ جائے تو چند ایک کتابیں یا پمفلٹ کافی ہوں گے۔ کتابیں اور رسالے مہمانوں کے سامنے کبھی نہ رکھیں۔ اس سے ٹھپہ لگ جانے کا خدشہ ہے۔

2- لٹریچر کسی کو تحفہ میں مت دیں۔ دوسروں کو خفا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

3- رکنیت سازی میں معاون بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی دوسرا ایسا کرے تو اسے ہرگز (appreciate) نہ کریں' مبادا آپ کو بھی معاون سمجھ لیا جائے۔

4- تحریک کا اگر کوئی آرگن یا پرچہ نکلتا ہے تو اپنے نام بے شک جاری کروا لیں' لیکن Subscription ادا کرنے میں جلدی نہ کریں' نہ ہی کسی دوسرے کے نام جاری کروانے کی کوشش

کریں- پڑھنے کی ضرورت تو خیر ہے ہی نہیں-
-5 تحریک کا معمول کا معمولی چندہ بے شک دیتے رہیں، لیکن ہنگامی ضرورت کے موقع پر زبردست اعتراضات و الزامات سے کام لیکر ایک طرف ہٹ جائیں یا کم از کم خاموشی اختیار کر لیں-
-6 تحریک کے متعین جلسوں میں کبھی کبھی شرکت کرنے میں حرج نہیں، لیکن اکثر لیٹ پہنچیں- اگر کوئی سرپھرا غیر حاضری یا تاخیر کی وجہ پوچھ بیٹھے تو جواب معذرت خواہانہ (apologetic) نہیں ہونا چاہئے- اپنی دوسری مصروفیات و ترجیحات کا ذکر کر دیں-
-7 اجلاس و اجتماعات کی "بے قاعدگی" کا تنقیدی جائزہ لیتے رہیں- مثلاً : کاروائی دیر سے کیوں شروع کی گئی؟- خواتین کیوں شامل ہیں؟- خواتین نے برقعہ کیوں نہیں پہنا؟-
-8 اجلاس کے دوران اپنی کلائی پر قیمتی اور خوبصورت گھڑی کو گاہے گاہے دیکھتے رہیں اور بے چینی کا مظاہرہ اس طرح کریں، جیسے آپ بہت مصروف شخصیت ہیں- تقریر یا درس کے دوران سونے سے البتہ پرہیز کریں-
-9 اجلاس میں شرکت کے موقع پر خوش لباسی یا خوش گفتاری کا مظاہرہ ہرگز ضروری نہیں- سادگی کو مقدم اور لباس و چہرے کی سلوٹوں کو ہم آہنگ رکھیں-
-10 اگر کسی بڑے اجتماع یا خصوصی پروگرام میں لذتِ کام و دہن کا اہتمام ہو تو اپنے سارے بچوں کو ساتھ لائیں اور ہر بچے کے لئے الگ کرسی کا مطالبہ کریں-
-11 پروگرام کے بعد، کھانے سے فارغ ہوتے ہی کسی ضروری کام کا کہہ کر رفو چکر ہو جائیں-
-12 مشاورتی اجلاس میں ہمیشہ دیر سے آیا کریں- قلم کاپی ضرور لائیں- ایجنڈے کے نکات کے بارے میں ہوم ورک ضروری نہیں- دوسروں کی رائے پر عمارتیں کھڑی کریں ورنہ خاموش رہیں- سنجیدگی کا یہی تقاضا ہے-
-13 رائے دینا پڑ ہی جائے تو پھر اپنی رائے کو قرآنی آیت سمجھ کر اس پر ڈٹ جائیں- اپنی رائے پر نظر ثانی کرنا کم عقل ہونے کی علامت ہے-
-14 صاف، دو ٹوک اور مدلل موقف کبھی اختیار نہ کریں- ذو معنی یا ادھورے فقرے استعمال کریں- اختلاف کی صورت میں Lack of Communication کا فقرہ جھاڑ دینا کافی ہو گا-
-15 مشاورتی اجلاس میں اگر کوئی اخبار یا کتاب ہاتھ لگ جائے تو مطالعہ کرنے میں کوئی حرج نہیں-
-16 اگر آپ بولنا جانتے ہیں تو مشاورتی اجلاس کے دوران اپنی باری کا انتظار کرنا ضروری نہیں- دوسرے کی بات فوراً کاٹیں اور اپنا خیال لمبی تمہید کے بعد پیش کریں- تلخ اور درشت اسلوب بیان

زیادہ مناسب رہے گا۔

-17 غیر ضروری باتوں یا ذاتی رنجشوں کو سرفہرست رکھیں اور اجلاس طویل بنائیں کہ دوسرے لوگ کسی بھی حال میں ایجنڈا مکمل نہ کرنے پائیں۔

-18 مذکورہ اجلاس میں اگر دو افراد کے درمیان کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے تو خاموش رہیں ورنہ دونوں کی طرف داری کریں۔ آخر رواداری بھی تو کوئی چیز ہے۔

-19 تحریک کے سلسلے میں متعلقہ افراد سے بالمشافہ رابطہ یا ٹیلی فون قطعاً نہ کریں۔ بس چھ ماہ بعد دوسروں کی غلفت' سستی یا نااہلی کا رونا خوب روئیں اور ساتھ ہی فون پر یہ بات بھی ظاہر کر دیں کہ فلاں کام انتہائی ضروری ہے تاکہ مستقبل کی کوئی بھی پیش رفت ہو تو آپ کہہ سکیں کہ فلاں کام کا مشورہ تو میں نے دو سال پہلے دیا تھا۔

-20 تحریکوں میں غریب' ان پڑھ یا دیہاتی لوگ بھی ہوتے ہیں۔ انہیں قطعاً" لفٹ نہ کرائیں۔

-21 تحاریک میں بعض جذباتی لوگ بھی شامل ہوتے ہیں۔ ان کی تعریف و توصیف کریں کہ کسی وقت ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ آپ خود بات نہ کرنا چاہیں تو یہ جذباتی اور نادان دوست کار آمد ثابت ہونگے۔ کسی کو محسوس تک نہیں ہو گا کہ گھنٹی کی رسی آپ کے ہاتھ میں تھی۔

-22 تحریک یا تنظیم کی کسی بھی کامیابی یا پیش رفت کا جائزہ لیتے وقت ہمیشہ منفی پہلوؤں یا نقائص کو ابھاریں۔ تعریف یا حوصلہ افزائی سے جس قدر ممکن ہو سکے اجتناب کریں۔ اگر کوئی دوسرا تعریف کر دے تو اسے خوشامد قرار دینا نہ بھولیں۔

-23 چونکہ آپ ان کے ساتھ مجبوراً شامل ہوئے تھے لہٰذا موقع کی تلاش میں رہیں اور جونہی کسی رکن کے ساتھ کوئی معمولی سا علمی' اخلاقی یا تدبیری اختلاف پیدا ہو' اسے انا کا مسئلہ بنانے سے گریز نہ کریں اور موقف یہ اختیار کریں کہ: "آپ کے مخالفین تحریک کیلئے نقصان دہ ہیں' انہیں تحریک سے خارج کیا جائے یا آپ کو نکلنے کی اجازت دی جائے۔ جیسے ہی آپ یہ وطیرہ اختیار کریں گے' آپ کی چھٹی ہو جائے گی۔ یہی چاہتے تھے نا آپ؟

اور آخری ہدایت یہ کہ یہ کام اتنی ہوشیاری سے کریں کہ آپ کے خبثِ باطن کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو اور اگر غلطی سے ایسا ہو بھی جائے تو گھبرائیں ہرگز نہیں۔ تحریکوں کی ملک میں کونسی کمی ہے' (اللہ محفوظ رکھے تحریکِ طلوعِ اسلام کو ایسے نفسیاتی مریضوں سے۔ ایڈیٹر)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

حقائق و عبر

یہاں تک تو پہنچے' یہاں تک تو آئے۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ماہنامہ میثاق بابت اپریل 1995ء میں ان کے مضمون پاکستان میں شیعہ سنی مفاہمت کی اہمیت اور اس کے لئے کوئی موثر اور ٹھوس اساس کے تحت "تفرقہ سے بچنے کا قرآنی لائحہ عمل" کا حصہ ملاحظہ فرمایئے۔

اس اعتبار سے میں یہاں پر محولہ بالا تین آیتوں میں سے آخری آیت (الشوریٰ : 15) کا حوالہ دے رہا ہوں جن میں صحیح لائحہ عمل کی نشاندہی کی گئی ہے:

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ

"پس (اے نبیؐ) اسی کی دعوت دیتے رہیے اور ثابت قدم رہیے جیسا کہ آپؐ کو حکم دیا گیا اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے"۔

یعنی تمہیں اس کی دعوت دیئے چلے جانا ہے کہ دین کو قائم کرو۔ "**ذٰلِكَ**" کا اشارہ "**اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ**" کی طرف ہے' یعنی "دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو!"

وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ

"اور کہہ دیجئے کہ میرا ایمان تو اس کتاب پر ہے جو اللہ نے نازل کی ہے"۔

وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ

"اور مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں"۔

اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ

"اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے"۔

آپس میں اختلافات کے حل کے لئے یہاں بہترین [illegible] ہے۔ اگر کوئی حنفی شافعی یا [illegible] فقہ میں کوئی اختلاف ہے تو کیا ہوا۔

اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ

[illegible] اور تمہارا رب ایک ہے [illegible]

لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ

"ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال"۔
نماز میں رفع یدین کرنا ہے یا نہیں کرنا' ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنی ہے یا باندھ کر' ان معاملات میں کیوں جھگڑا کرتے ہو؟

لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

"اس میں ہمارے تمہارے مابین کسی حجت بازی کی ضرورت نہیں"۔

اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ○

"اللہ ہی ہمارے مابین جمعیت پیدا کرنے والا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"۔

اللہ کرے کہ وہ جمعیت پیدا ہو جائے' وہ اتحاد اور اتفاق ہو جائے۔ اور اگر یہ چیز نہیں ہو گی تب بھی اللہ کے حضور جا کر تو کھڑے ہونا ہے۔ وہاں دودھ کا دودھ' پانی کا پانی جدا ہو جائے گا۔"

ہم بارگاہِ رب ذوالجلال کے حضور انتہائی عجز و انکسار سے سجدہ تشکر بجا لاتے ہیں کہ ایک اور صاحب نظر نے بھی آخرالامر' اپنی ملی امراض کے لئے' قرآن کریم کے در فیض کشا پر دستک دی فالحمدللہ علی ذلک۔ (طلوعِ اسلام)

2- وہ جن کے اعصاب پر شراب سوار ہے

ماہرینِ فلکیات نے ایک G34.3 نوساختہ ستارے کے گرد منڈلاتا ہوا بادل دیکھا ہے جو ان کے حساب میں ہمارے نظام شمسی سے بھی بڑا ہے۔ ماہرین کے مطابق ان بادلوں میں 10 ٹریلین ٹریلین لٹر شراب کے ذخائر موجود ہیں' جو زمین پر موجود تمام افراد کے لئے اگلے ایک ارب سال کے لئے کافی ہونگے۔ خوش ہونے کی گنجائش اس خبر میں یوں بھی نہیں کہ یہ ستارہ ہم سے روشنی کے دس ہزار سال دور ہے۔

روزنامہ ٹائم لندن کی 18-03-95 کی اشاعت کے مطابق اس انکشاف کے موجد یونیورسٹی آف کینٹ کے پروفیسر گوئف میکڈانلڈ اور رولف ہیبنگ ہیں۔

زر شرکت 1995ء

ایشیا اور یورپ کے لئے	زر شرکت 120 + پیکنگ و پوسٹیج 430 = 550 روپے
کینیڈا۔ امریکہ اور آسٹریلیا	زر شرکت 120 + پیکنگ و پوسٹیج 630 = 750 روپے
اندرون ملک	زر شرکت 120 روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

علی محمد چدھڑ

لے ڈوبی خود اپنی ہی انا شیخِ حرم کو
جھکتا ہے تو دستارِ فضیلت نہیں رہتی

(جناب علی محمد چدھڑ صاحب کا خط مولانا عبدالغفور اثری صاحب کے نام)

السلام علیکم۔ مزاج شریف۔ آپ نے اپنے ایک کتابچہ میں اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے کہ "ہم اہلحدیث کیوں ہیں؟" اسکے لئے آپ نے ایک تو احادیث سے مدد لی ہے۔ دوسرے بزرگان دین اور آئمہ کرام کے اقوال کو بنیاد بنایا ہے۔ تیسرے قرآنِ مجید سے بھی اہلحدیث ہونے یا کہلوانے کا جواز ڈھونڈ لیا ہے۔ اول الذکر دونوں ذرائع میرے موضوع سے خارج ہیں۔میں صرف قرآنِ مجید کے حوالے سے چند گذارشات آپکی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

آپ نے اس سلسلہ میں سورۃ الحج کی آیت نمبر78_ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 111 اور 47 کو بنیاد بنایا ہے۔ ساتھ ہی سورۃ الزمر کی آیت 23 کا بھی حوالہ دے دیا ہے۔ بہتر ہے کہ پہلے ان آیات کا عام فہم مفہوم درج کر دیا جائے۔

سورۃ الحج : 78_ یہ وہی نظام ہے جسے تمہارے مورثِ اعلیٰ ابراہیم کے ہاتھوں قائم کیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ تمہاری جماعت کا نام مسلم۔ بھی کوئی نیا نام نہیں۔ خدا نے اس قسم کی جماعت کا نام پہلے بھی مسلم رکھا تھا اور اب اس قرآن میں بھی یہی نام تجویز کیا گیا ہے۔

سورۃ المائدہ : 111_ "اور جب میں نے تمہارے حواریوں کو (انجیل میں بذریعہ وحی) حکم دیا تھا (جس طرح اب جماعت مومنین کو قرآن میں حکم دیا گیا ہے) کہ وہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لائیں۔ اس پر انہوں نے کہا تھا کہ ہم ایمان لائے۔ تم گواہ رہنا کہ ہم نے قوانین خداوندی کے سامنے سرتسلیم خم کر دیا ہے۔

اس آیت میں 'مسلمون' کا ترجمہ آپ نے مسلم یا مسلمان کیا ہے جو درست نہیں ہے۔ دراصل یہاں یہ لفظ علمبردار کے معنی میں آیا ہے۔ نہ کہ وہ جس کا نام مسلم یا مسلمان ہو۔ اگر کسی کو بہادر کہا جائے تو اسکا مطلب ہے اس میں جرأت اور دلیری کی صفات ہیں نہ کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ اس کا نام بہادر ہے۔

کے مطابق فیصلہ اس کے مطابق معاملات کا فیصلہ اس کے مطابق وہ اپنے دیا تھا کہ کہہ بھی سے اہل انجیل ہم نے
سورۃ المائدہ : 47_ ہم نے اہل انجیل سے بھی کہہ دیا تھا کہ وہ اپنے معاملات کا فیصلہ اس کے مطابق کریں جسے خدا نے
کریں جسے خدا نے نازل کیا ہے۔ اس لئے کہ جو لوگ اس قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے۔ جسے خدا نے
نازل کیا ہے۔ تو ان کا شمار فاسقین میں ہوتا ہے۔ یعنی صحیح راستہ چھوڑ کر غلط راہیں اختیار کرنے والے۔"
ان آیات میں بظاہر کوئی ایسی بات نہیں جو اہلحدیث کہلوانے میں بطور ثبوت پیش کی جا سکے۔ البتہ اس
سلسلہ میں سورۃ الزمر کی آیت 23 کا ذکر نہایت ضروری ہے۔ جس میں قرآنِ مجید کو اللہ تعالیٰ نے احسن
الحدیث کہا ہے جو ایک صفاتی رنگ ہے۔ جس کا مفہوم ہے۔ اللہ نے اس وحی کو اس انداز سے نازل کیا ہے
کہ یہ اپنے حسن و توازن میں کمال تک پہنچی ہوئی ہے۔ اسکی ہر شق دوسرے سے ملتی ہے۔ نیز تصریف
آیات (بات کو دہرانے) سے بھی اسکے مطالب کو واضح کیا گیا ہے۔ جو لوگ قرآن پر اس طرح غور و فکر
کرتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ اسکی خلاف ورزی کے نتائج کس قدر تباہ کن ہیں اور اس احساس سے ان پر
لرزہ تاری ہو جاتا ہے۔ لیکن اس سے ان کے حوصلے پست نہیں ہوتے۔ ان کے دل قوانینِ خداوندی کے
لئے نرم ہو جاتے ہیں۔

یہ وہ ضابطۂ ہدایت ہے جس سے وہ ہر اس شخص کی صحیح راستے کی طرف راہ نمائی کر دیتا ہے' جو اس
سے راہنمائی حاصل کرنا چاہے۔ لیکن جو شخص کوئی ایسا راستہ اختیار کرے جسے وحی غلط قرار دیتی ہے' تو اسے
منزل مقصود تک کوئی نہیں پہنچا سکتا۔ 39/23" یہ ہے اس آیت کا مفہوم اور جس میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی
بتا دیا ہے کہ قرآن مجید کو احسن الحدیث کیوں کہا گیا ہے۔ دراصل یہ قرآن کی ان متعدد خصوصیات میں سے
ایک ہے جو سارے قرآن کریم میں تابندہ طور پر نظر آتی ہیں مثلاً نور اللہ۔ نور مبین۔ ذکر اللعالمین۔ لاریب
وغیرہ۔ لہٰذا کتاب اللہ کو جو احسن الحدیث کہا گیا ہے وہ کسی خاص مذہبی مسلک کیلئے نہیں بلکہ یہ اللہ کے کلام
کی لامحدود آفاقی تعلیم کا اظہار ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے بہتر ہے کہ لفظ حدیث کی کچھ وضاحت ہو جائے۔ یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس
کے اصطلاحی معنی ہیں۔ وہ قول یا فرمان جو نبی کریمؐ کی طرف منسوب ہو۔ اور لغوی معنی قصے۔ کہانی یا بات
کے ہیں۔ اگر آپ قرآن کے حوالہ سے اہلحدیث کہلوانا چاہتے ہیں۔ تو پھر اہلِ احسن الحدیث کہلوائیں۔ صرف
اہلحدیث کہلوانے سے تو بات دوسرے معنوں میں بھی لی جا سکتی ہے۔ جیسے ھو الحدیث 31/6 یعنی کھیل کی
باتیں۔ بے معنی باتیں۔ **جعلنھم احادیث** 23/24 یعنی کر دیا ان کو کہانیاں۔ اسکے صرف قصے باقی رہ
گئے کیا کوئی ان معنوں میں اہلحدیث کہلوانا یا اپنی کتاب کا نام حدیث رکھنا پسند کرے گا؟ ہرگز نہیں۔

محترم مولانا اثری صاحب!

مذکورہ آیات قرآنی اب ہمارے سامنے ہیں۔ آپکے الفاظ میں ان سے جو نقاط اخذ ہوتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(1) ہماری کتاب کا نام خود کتاب میں ہی حدیث ہے۔
(2) مسلمان اپنی کتاب کی طرف بھی منسوب ہو سکتے ہیں۔
(3) جیسے عیسائیوں کو مسلمان ہونے کے باوجود اہل انجیل کہا ہے۔
(4) ہم مسلم بھی ہیں اور اہلحدیث بھی۔ جیسے عیسائی مسلم بھی ہیں اور اہل انجیل بھی۔
(5) پس اہلحدیث کہلوانے میں کسی قسم کی قباحت نہیں۔ بلکہ اسکا ثبوت قرآنِ مجید سے واضح سے واضح تر ہو گیا (صفحہ 13)

اب اگر آپ کے ان نقاط کو مزید مختصر کریں تو انکی شکل کچھ یوں بنتی ہے۔
عیسائی مسلمان ہونے کے باوجود اپنی کتاب انجیل سے منسوب ہو کر اہل الانجیل کہلاتے ہیں۔ اسی طرح ہم مسلمان بھی اپنی کتاب جس کا نام "حدیث" ہے سے منسوب ہو کر اہل حدیث کہلوا سکتے ہیں یعنی ہم مسلم بھی ہیں اور اہلحدیث بھی۔ جیسے عیسائی مسلم بھی ہیں اور اہل انجیل بھی۔

1 یہ غلط ہے۔ ہماری کتاب کا نام حدیث نہیں قرآن الحکیم ہے۔ جس میں ایسی باتوں کا ذکر ہے جو احسن ہیں اور اسی حوالہ سے اسے احسن الحدیث کہا گیا ہے نہ کہ صرف حدیث۔ تشریح پہلے آچکی ہے اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے۔ کہ عیسائی مسلم ہیں۔ قرآن انہیں مسلم تسلیم نہیں کرتا۔ اس کی وضاحت ذرا آگے آئے گی۔ بفرض محال آپکے یہ تمام نقاط اگر وقتی طور پر درست بھی تسلیم کر لئے جائیں تو اہلِ حدیث ہونے کی بنیاد آپکے ہی الفاظ میں عیسائیوں کا مسلم اور اہل الانجیل ہونا قرار پاتی ہے۔

تو آیئے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام عیسائیوں کے مسلم اور اہل انجیل ہونے کو کیا مقام دیتا ہے۔
ہمارے نبیؐ کریمؐ تمام بنی نوعِ انسان کی طرف مبعوث ہیں۔ قرآنِ مجید سے پیشتر انبیاء کرام کی جتنی کتابیں ہیں' وہ محرف ہو چکی ہیں اور اپنی اصلی شکل میں نافذ العمل نہیں رہیں۔ اب پوری انسانیت میں وحی کے احکام اصلی شکل میں صرف قرآن میں موجود ہیں۔ خدا کی یہ آخری کتاب تمام کتبِ سابقہ کی مہیمن ہے 5/48 یعنی سابقہ کتب کی تعلیم جو بھی ضروری سمجھی گئی اس میں آگئی اور اسکے ساتھ مزید اضافوں سے تعلیم خداوندی کو مکمل کر دیا ہے۔ (کیونکہ یہ خدا کی اب آخری کتاب ہے۔) سو اس پر اہلِ کتاب کو بھی ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ سورۃ الصف کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قوم بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ میں تمہاری طرف خدا کا فرستادہ ہوں اور جو کچھ تمہارے پاس تورات میں آیا تھا' اسے سچ کر دکھانے کیلئے آیا

...ں۔ اور میں تمہیں اللہ کے ایک اور نبیؐ کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا۔ اسکا نام احمد ہو گا۔
...سی طرح حضرت موسیٰ دعا مانگتے ہیں کہ بار الٰہی قوم بنی اسرائیل پر تو نے جو نوازشات کی ہیں۔ اس
...سلسلہ کو اسی طرح جاری رکھیو۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ہمارے نظام ہدائت کے مطابق یہ صرف انکے حصے میں
...ئیگی جو ہمارے آخری نبیؐ اور آخری کتاب پر ایمان لائیں گے 7/156-157۔ سورۃ البقرہ میں یہ بھی بتا دیا
...کہ ایمان وہی تسلیم کیا جائے گا۔ جو حضور نبی کریمؐ کے طریقہ پر ہو گا۔ ارشاد ہوا "پس اگر یہ لوگ اس پر
اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو پھر یہ لوگ راہ ہدائت پر ہونگے۔ اور اگر یہ اس سے پھر
جائیں تو پھر یہ مخالفت کی راہ ہو گی۔ 2/137" یہ بھی ارشاد ہوا کہ "جو لوگ اس پر ایمان لائے جو محمدؐ پر نازل کیا گیا اور ...

قرآن کی اس وضاحت کے بعد تو آپ بھی اتفاق کریں گے کہ عیسائیوں کے مسلم یا اہل انجیل ہونے کی
کوئی وقعت نہیں رہتی۔ اور چونکہ آپ کے اہلِ حدیث ہونے کی بنیاد یہی ایک مفروضہ ہے۔ للذا اسکی
حقیقت و حیثیت بھی خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔

عموماً کہا جاتا ہے کہ عیسائی اہلِ کتاب ہیں۔ خدا پر ان کا ایمان ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی
مانتے ہیں۔ حضور نبی کریمؐ جب انہیں اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ تو وہ یہی جواب دیتے کہ ہم پہلے ہی خدا کو
مانتے ہیں۔ تم ہمیں خدا پر ایمان لانے کی دعوت کیوں دیتے ہو۔ ہمارے حضورؐ کا جواب یہ ہوتا کہ تم اس
خدا کو مانتے ہو جس کی رحمت صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں تک محدود ہے۔ ہم اس خدا کو مانتے
ہیں جس کی ربوبیت تمام بنی نوعِ انسان کیلئے عام ہے۔ تم اس خدا کو مانتے ہو جو مسیح کی جان کا کفارہ لیکر
دوسروں کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ ہم اس خدا کو مانتے ہیں جس کے قانونِ مکافات کے مطابق ہر ایک کو
اس کے اعمال کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے۔ تمہارا دعویٰ ہے کہ عیسیٰؑ بن باپ پیدا ہوئے اور اس لئے وہ خدا کے
بیٹے ہیں۔ حضورؐ کا یہاں بھی جواب ہوتا تھا کہ یہ سب تمہاری تراشیدہ باتیں ہیں۔ جب خدا کی کوئی بیوی ہی
نہیں تو بیٹا کہاں سے آگیا۔ ایک جگہ قرآن کہتا ہے کہ "اے کتاب والو! بے شک تمہارے پاس ہمارے یہ
رسول تشریف لائے کہ تم پر ظاہر فرماتے ہیں بہت سی وہ چیزیں جو تم نے کتاب میں چھپا ڈالی تھیں اور بہت
سی معاف فرماتے ہیں۔ بے شک تمہارے اللہ کی طرف سے ایک نور اور روشن کتاب آگئی۔ 5/15" اس
آیت میں اہلِ کتاب کو (جن میں عیسائی بھی شامل ہیں) جناب نبی کریمؐ اور قرآن مجید دونوں پر ایمان لانے کی
دعوت ہے۔ لیکن تھوڑا آگے اللہ تعالیٰ نے فیصلہ ہی دے دیا ہے۔ کہ "تم میں سے نصاریٰ کا کفر تو واضح ہے
جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا خود مسیح ابن مریم کی شکل میں دنیا میں آگیا۔ 5/17" آپ کے اہلِ حدیث
ہونے یا کہلانے کی ساری عمارت عیسائیوں کے مسلم اور اہلِ انجیل ہونے پر استوار ہے۔ اب جبکہ اس آیت

میں خدا نے عیسائیوں کو کافر ہی قرار دے دیا 5/17_ تو اہلِ حدیث ہونے کا عقیدہ کیسے بچ گیا۔

دراصل اسلام اور عیسائیت کا کوئی تقابل ہی نہیں۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں اور اپنے خود ساختہ عقائد کے لئے عیسائیت میں مثالیں ڈھونڈتے ہیں' احساسِ کمتری کا شکار ہیں۔ اگر وہ اسلام کی حقیقت کو جان لیتے تو دین سے ہٹ کر مذہب کی طرف مائل نہ ہوتے۔ عروج سے محروم ہو کر زوال پر قناعت نہ کرتے۔ سمندر کی لامحدود پہنائیوں کو چھوڑ کر ندی نالوں پر اکتفا نہ کرتے اور اسی طرح خدا سے مسلم کا ہمہ گیر نام پانے کے باوجود اہلِ حدیث کہلانے پر کبھی فخر نہ کرتے۔ زمانہ قیامت کی چالیں چل رہا ہے۔ چاند کی تسخیر کے بعد مریخ پر کمندیں ڈال چکا ہے۔ اور ایک ہم ہیں کہ ابھی تک مقلد اور غیر مقلد کے فروعات میں ہی اُلجھے ہوئے ہیں۔ یقین جانئے اسلام الحمد سے والناس تک ارتقائی مشعل کا نام ہے۔ اور اسے **انتم الاعلون** سے کم تر کوئی منزل قبول نہیں۔ وہ ایک انوکھا۔ مکمل اور عالمگیر نظامِ حیات ہے۔ جس کا نصب العین تمام بنی نوعِ انسان کا مفاد ہے۔ ہماری کتاب ذکر اللعالمین۔ ساری انسانیت کیلئے وجہِ بصیرت (بصائر للناس 45/20) اور وحدت فکر و عمل کی علمبردار ہے۔ ہمارا خدا رب العالمین اور تمام نوع انسان کا الٰہ ہے۔ ہمارا رسولؐ رحمت اللعالمین اور تمام عالمِ انسانیت کے لئے بشیر و نذیر ہے۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام ایک عالمگیر انسانیت کا نظام ہے۔ جو وطن' مذہب اور قومیت کے تنگ دائروں سے نکال کر تمام عالمِ انسانیت کو حدود فراموش فضاؤں میں لے جاتا ہے چنانچہ جس جماعت کے ہاتھوں ایسے نظام کا قیامِ عمل میں آیا۔ اللہ فرماتے ہیں کہ تمؐ ایک بہترین امت ہو اور ہم نے تمہیں بین الاقوامی ملت بنایا ہے۔ اسی نظام اور جماعت کا ذکر سورۃ الحج : 78 میں کیا گیا ہے۔ اسے ایک دفعہ پھر دہرا لیتے ہیں۔ فرمایا "یہ وہی نظام ہے جسے تمہارے مورثِ اعلیٰ ابراہیم کے ہاتھوں قائم کیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ تمہاری جماعت کا نام مسلم بھی کوئی نیا نام نہیں۔ خدا نے اس قسم کی جماعت کا نام پہلے بھی مسلم رکھا تھا اور اب اس قرآن میں بھی یہی نام تجویز کیا گیا ہے۔ 22/78" اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ کی مثال قابلِ توجہ ہے۔ اسلئے کہ انہوں نے ایسے ہی نظام اور جماعت کے ذریعہ دنیا کی امامت کا منصب حاصل کیا تھا اور تاریخ شاہد ہے کہ اسکے بعد حضور نبیٔ کریمؐ نے بھی اسی نظام کو قائم کر کے دنیا کے سامنے اس آفاقی دین کی صداقت کا ثبوت عملی طور پر پیش کر دیا۔

حضورؐ اور خلفائےؓ راشدین کے بعد وارثِ قرآن کی حیثیت سے یہی فریضہ امت مسلمہ نے ادا کر کے دین کے سلسلہ کو جاری رکھنا تھا۔ یہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ اسلام کو ضابطۂ خداوندی (قرآن) کے مطابق خدا رسول کی آنکھ سے دیکھا جاتا۔ لیکن ہوا و ہوس اور مفادِ خویش کا جذبہ غالب آگیا۔ قوم بد عملی کا شکار ہو

گئی اور ہم نے حضورؐ کے امتی ہونے کو ہی سب کچھ سمجھ لیا۔ دین جس کی وحدت ناقابلِ تقسیم تھی، مختلف ٹولیوں، گروہوں اور جھوٹے مذاہب میں بدل گیا۔ حضورؐ کی امت تفرقہ کا شکار ہو گئی۔ فرقہ بندی سے بات بڑھ کر فرقہ پرستی تک چلی گئی اور مزید سانحہ یہ ہوا کہ اپنے اپنے مسلک کا جواز قرآنِ کریم سے تلاش کیا جانے لگا۔ یعنی بجائے اس کے کہ اپنے ایمان و عمل کو قرآن کے مطابق بنایا جاتا۔ ہوا یہ کہ قرآن کو ہی اپنے ایمان و عمل کے قالب میں ڈھال لیا۔

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

چنانچہ نتیجہ اسکا یہ ہوا ہے کہ ہم اہلِ حدیث۔ اہلِ سنت والجماعت۔ اہل تشیع۔ اہلِ قرآن وغیرہ کہلوانے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور یہی مذہبی گروہ بندیاں ہماری پہچان بن گئی ہیں۔ اس کے برعکس خدا کے تجویز کردہ نام مسلم سے خفت محسوس کرتے ہیں اور اسے اپنی مساجد کی تختیوں پر بھی دیکھنا پسند نہیں کرتے۔

ہاں تو آپ لاکھ انکار کریں۔ اہلِ حدیث بھی دیگر فرقوں کی طرح بہر صورت ایک مذہبی فرقہ ہے۔ اس کا نام مکتبِ فکر ہو یا اہلِ حدیث کا لقب۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "انکی حقیقت اور اہلیت کیا ہے۔ بس اتنی ہے کہ یہ محض چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ چھوڑے ہیں۔ اللہ نے انکی کوئی سند نہیں اتاری 12/40 , 7/71" مطلب یہ ہے کہ پتھر کا نام ہم 'لات' رکھ لیں یا اسے مقات کہہ کر پکاریں۔ وہ درحقیقت پتھر ہی ہے اور اس کی اصلیت میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ ماربل اور سیمنٹ کی پختہ قبریں ہماری خود ساختہ ہوتی ہیں۔ لیکن ہم بزعم خویش انہیں حاجت روا قرار دے لیتے ہیں۔ کسی کا نام غریب نواز رکھ لیتے ہیں اور اپنے طور پر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ بس حق رسی ہو گئی۔ اسی طرح ہم یہ بھی سمجھ لیتے ہیں کہ اہلِ حدیث یا اہل سنت ایسے خوشنما نام رکھ لینے سے فرقوں کی فہرست سے نام خارج ہو جاتا ہے اور یوں قرآنِ کریم کی اس آیت کا اطلاق ہم پر نہیں ہوتا۔ جس میں کہا گیا ہے کہ "اے جماعت مومنین ! ایسا نہ ہو کہ تم مشرکین میں سے ہو جاؤ۔ یعنی ان لوگوں میں سے جنھوں نے دین میں تفرقہ پیدا کر لیا۔ فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے۔ اور پھر ان کی حالت یہ ہو گئی کہ ہر فرقہ اس فریبِ نفس میں مبتلا ہو گیا کہ ہم حق پر ہیں 30/31-32"

(1) "<u>نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہلحدیث کے امام ہیں</u>" یہ سرخی موٹے حروف کیساتھ آپ نے کتابچہ کے صفحہ 37 پر سجائی ہے۔ ممکن ہے اس سے آپ اہلحدیث حضرات کو آسمان پر اُڑانا چاہتے ہوں۔ لیکن جوش عقیدت میں آپ بھول گئے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمت اللعالمین ہیں۔ انکی

حیثیت تمام عالم انسانیت کیلئے بشیر و نذیر کی ہے۔ کیا آپ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کا چرواہا سمجھتے ہیں۔ ایسا نہ کریں۔ مقام محمدی فاستوی اور افق مبین سے تعبیر ہوا ہے۔ خدا نے انہیں سراجا" منیر 33/46 کہا ہے۔ سورج کسی خاص ملک یا علاقہ پر نہیں جگمگاتا وہ ساری کائنات کو روشن کرتا ہے۔

(2) **کتابچہ** کے صفحہ 5 پر بڑے جلی حروف میں آپ نے ایک اور دعویٰ بھی کیا ہے اور وہ ہے کہ "اہل حدیث رسول اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں"۔ خلیفہ کے معنی جانشین کے ہیں اور یہ کوئی عام جانشینی نہیں۔ اصطلاحی طور پر خلیفہ اسے کہتے ہیں جو زمین پر اللہ کے قانون کو عملاً نافذ کرے۔ بہت بڑا دعویٰ ہے۔ خدا توفیق دے۔

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

نبی کا کام خدا سے وحی پا کر اسے انسانوں تک پہنچا دینا ہی نہیں ہوتا بلکہ قوانینِ خداوندی کے مطابق معاشرہ کی تشکیل بھی تھی۔ مکی زندگی میں حضورؐ نے نبوت کے ابتدائی تیرہ سال عرب کے بدترین معاشرہ کے افراد کو قرآن کے احکام و ضوابط اور ان کی غرض و غایت کی اس طرح تعلیم دی کہ ان کی اہمیت ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر گئی۔ نو مسلموں کی زندگی میں تغیر پیدا ہو گیا۔ ہجرت کی تو سرکش قوتوں نے پھر بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ لیکن حضور نبی کریمؐ نے قیامت خیز تصادمات کے بعد انہیں شکست دی۔ استحصالی نظام سے مظلوموں کی رہائی کیلئے کم و بیش بیاسی جنگیں لڑیں۔ مدینہ کو یہودی منافقین سے پاک کیا اور مکہ فتح کر کے پہلی اسلامی مملکت کی بنیاد ڈالی۔ حضورؐ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی یہی فرائض سنبھالے۔ دنیا کی دو سُپر پاوروں کو میدانِ جنگ میں شکست ہوئی اور اسلامی تہذیب و تمدن کے نقش ساری دنیا میں ثبت ہو گئے۔ ملوکیت۔ مذہبی پیشوائیت اور سرمایہ داری کی زنجیریں ٹوٹ گئیں۔ امیر غریب۔ آقا و مولا کا امتیاز جاتا رہا اور آخر کار یہ دنیا ایک Balanced معاشرہ سے متعارف ہو گئی۔ مملکت کے تمام افراد کی بنیادی ضروریات اسلامی نظام نے اپنے ذمہ لے لیں۔ اور ایک مثالی معاشرہ قائم کر کے دنیا کو جنت بنا دیا۔ حضور نبیؐ کریمؐ اور صحابہؓ کرام (خلفائے راشدین) کے بعد اصولی طور پر یہی فریضہ ہمیں ادا کرنا تھا اور اسلامی نظام کے تسلسل و استحکام کی ذمہ داری ہماری تھی جس میں ہم مجرمانہ حد تک ناکام رہے اور اسلام کی گاڑی دوسری پٹڑی پر جا پڑی۔ خلافت ختم ہو گئی۔ اسلامی نظام نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ اور وہ دن اور یہ دن۔ چودہ سو سال بیت چکے ہیں۔ سارا عالم اسلام عیسائی اور دیگر سیکولر طاقتوں کے زیر اثر دوسروں کے سہارے اپنے مہ و سال گذار رہا ہے۔ اور ایک

آپ ہیں کہ بزعم خویش حضور نبی کریمؐ کی خلافت کا جھولا جھول رہے ہیں۔ چلو کچھ دیر کیلئے وقتی طور پر آپکا یہ دعویٰ تسلیم کر لیتے ہیں۔ لیکن جناب فیض احمد فیض کی اس کیوں کا کیا جواب ہو گا جو کہتا ہے:۔

بے دم ہوئے بیمار دوا کیوں نہیں دیتے
تم اچھے مسیحا ہو شفا کیوں نہیں دیتے
مٹ جائے گی مخلوق تو انصاف کرو گے
منصف ہو تو اب حشر اٹھا کیوں نہیں دیتے

افسوس کہ آپ اس کیوں کا جواب دینے کی پوزیشن میں ہرگز نہیں۔ چلو نہ سہی۔ لیکن اتنا تو بتا دیں کہ جنت سے نکلا ہوا آدم کبھی فردوس گم گشتہ پا سکے گا؟ یقیناً یہ بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔ لیکن اس سے بھی ایک انتہائی پریشانی کا باعث اغیار کا یہ سوال ہے کہ کیا اسلام میں امامت اور خلافت کا یہی معیار ہے جو اس وقت جماعتِ اہلحدیث دنیا کے سامنے پیش کر رہی ہے۔

برادر محترم مولانا اثری صاحب!

مجھے آپ کے جذبات کا احترام اور احساس ہے۔ لیکن اسلام میں محض اہلحدیث کہلوانا جنت کا سرٹیفکیٹ نہیں دلوا سکتا۔ یہ روش قومِ موسیٰ کی تھی جو خدا کی چہیتی اولاد ہونے کی حیثیت سے جنت کو اپنے لئے مخصوص سمجھتی تھی۔ اسلام میں ایسا نہیں ہے۔ اس کی رُو سے انسان کو وہی کچھ ملتا ہے۔ جس کے لئے وہ کوشش کرتا ہے۔ کسی پیاسے کے ہونٹوں تک اپنے آپ پانی نہیں پہنچ سکتا۔ اسکے ہاں اصول یہ ہے کہ جو ذرہ برابر قانون کا اتباع کرے گا، اسکے حسنِ عمل کا نتیجہ اسکے سامنے آجائے گا۔ اور جو ذرہ برابر قانون کی خلاف ورزی کرے گا۔ اس کی سزا پائے گا۔ یہاں تک کہ اگر پیغمبر بھی خدا کے ساتھ کسی اور کی اطاعت کرے گا۔ تو اس کے اعمال بھی رائیگاں چلے جائیں گے۔ یوں تو ہر کوئی اپنے مسلک پر نازاں و فرحاں ہے۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ کسی مسلک۔ پروگرام۔ عقیدہ یا مذہب کی صداقت کیلئے کسوٹی یہ ہے کہ اسکے نتائج کیسے ہیں 11/93_ اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم ٹھنڈے دل سے اپنا جائزہ لیں۔ تو پتہ چلے گا کہ ہمارا کچھ بھی اس کسوٹی کے مطابق نہیں۔ معاف کرنا ہمیں صحابہ کرامؓ سے کوئی نسبت نہیں۔ ہمارے اعمال کے نتائج ان کے اعمال کے نتائج سے متضاد ہیں۔ پھر ہم کیوں کر یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ بقول آپ کے

(3) "صحابہ کرامؓ بھی اہلحدیث تھے" یہ تو ایسا ہی ہے جیسے ایک شکست خوردہ انسان فخریہ یہ دعویٰ کر دے کہ سکندر اعظم بھی میرے ہی خاندان سے تھا۔ مطلب یہ کہ اصل بات پدرم سلطان بود یا اسلاف کی نہیں۔ اہم تر یہ ہے کہ تم کیا ہو۔ اپنے دعویٰ میں جن ہستیوں کو آپ نے ہم مسلک بنایا ہے۔

انہیں خدا نے اس زندگی میں ہی مومنِ حقّہ کہا اور ان کی مغفرت اور رزق کریم کی ضمانت دی۔ اب اگر آپکے ان دعاوی (1,2,3) کو سامنے رکھا جائے۔ تو ذہن بے ساختہ طور پر آلِ عمران کی آیات 66-64 کی جانب چلا جاتا ہے۔ جن کے مطابق یہود و نصاریٰ حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں جھگڑے نکالتے تھے کہ وہ یہودی تھے یا نصرانی۔ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ یہودی یا نصرانی کیسے رہ سکتا ہے۔ جبکہ تورات اور انجیل اسکے بعد نازل ہوئی ہیں۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ خود ہی فیصلہ فرما دیتے ہیں کہ "یاد رکھو! ابراہیمؑ نہ یہودی تھا نہ نصرانی۔ یہ تمہاری خود ساختہ نسبتیں ہیں۔ وہ خالص مسلم تھا۔ وہ دین میں گروہ بندیاں پیدا کرنے والے مشرکین میں سے نہیں تھا۔ 3/66"۔ قرآنِ مجید کی اس وضاحت کے بعد مروجہ مسالک کے دعوے داروں سے بھی یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ نبی اکرمؐ نہ اہلِ حدیث تھے نہ شیعہ۔ بلکہ دین میں تمام خود ساختہ گروہ بندیوں سے بالا خالص مسلم تھے۔ اور یہی مسلک ابراہیمیؑ ہے۔ پس کتاب اللہ کے اس قولِ فیصل کے بعد ان لوگوں کیلئے کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ جو مسلم کے علاوہ اپنے دیگر گروہی ناموں سے بھی منسوب رہنا چاہتے ہیں۔

اب ہمارے سامنے ایک طرف تو کتاب اللہ کے حوالہ سے خدا کا فیصلہ ہے اور دوسری جانب مروجہ اسلام کے مختلف گروہ ہیں اور ہر گروہ خدائی حکم کے برعکس اس خود فریبی میں مبتلا ہے کہ وہی راہِ راست پر ہے۔ کیا کیا جائے اگر پاکستان کو ایک اسلامی مملکت کی حیثیت حاصل ہوتی تو ضابطہ کی خلاف ورزی مملکت کے خلاف بغاوت قرار پاتی۔ افسوس ایسا نہیں ہے۔ جس کا فائدہ اٹھا کر ہر کوئی اِدھر اُدھر سے اپنے لئے جواز کی راہ تلاش کر لیتا ہے۔ مثلاً آپ نے اہلِ حدیث ہونے کے حق میں جو دلیل پیش کی ہے۔ وہ امام ابوالحسن کا ایک خواب ہے۔ جس کے ذریعہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فیصلہ لے لیا ہے کہ تہتر گروہوں میں سے نجات پانے والا صرف ایک گروہ ہے اور وہ اہلِ حدیث کا گروہ ہے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی (نعوذ باللہ) مذہبی گروہ بندی کے حق میں احکام دے دیئے جبکہ قرآن اسے شرک قرار دیتا ہے۔ ممکن ہے آپ کے مذہب (اہلحدیث) یا دیگر مسالک میں ایسے احکام کی گنجائش ہو لیکن اس باب میں خدا کا فیصلہ یہ ہے کہ "کسی انسان کو اسکا حق حاصل نہیں کہ خدا اسے کتاب (ضابطہ قوانین) حکومت اور نبوت عطا کرے اور وہ لوگوں سے یہ کہنا شروع کر دے کہ تم خدا کے احکام کی جگہ میرے احکام کی اطاعت کرو۔ ہاں یہ کہے گا ربانی بن جاؤ۔ 3/78"۔

جہاں تک اہلِ حدیث کے ناجی ہونے کا تعلق ہے تو دونوں صورتیں متضاد ہیں۔ کوئی قاتل مسیحا نہیں ہو سکتا اس بارے میں احکامِ خداوندی بڑے واضح ہیں۔ فرمایا "تم کہیں ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا۔ جو واضح قوانین آجانے کے بعد فرقوں میں بٹ گئے اور باہم دیگر اختلافات کرنے لگ گئے۔ ان کے لئے بڑا عذاب

ہے- 3/105"_

غور فرمایا آپ نے فرقہ بندی تو ایک طرف' اللہ کے ہاں باہم اختلاف کی بھی گنجائش نہیں اور یہ جو مذہبی فرقے بزعمِ خویش جنت کی آس لگائے بیٹھے ہیں- سمجھے ہی نہیں کہ جماعت سے علیحدگی یا اختلاف کتنا سنگین جرم ہے اِس بارے میں قولِ رسولؐ بھی ہمارے لئے مشعل ہدائت ہے- فرمایا "ہمیشہ جماعت کے ساتھ رہو- جو جماعت سے الگ ہوا سیدھا جہنم میں گیا-"

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

اسلام وحدت اور یک جہتی کا نظام ہے- قدم سے قدم ملا کر 'بنیان مرصوص' کی طرح سوئے منزل رواں دواں- وہ کہتا ہے خدا کا دین ایک اور خود ساختہ مذاہب بے شمار- ٹھیک جواب ایک- غلط جوابات بیشمار- جنت کیلئے صراط مستقیم ایک' جہنم کی تباہی تک پہنچنے کیلئے مختلف راستے یعنی ہر گروہ کا الگ راستہ ہے- اس پر ذہن میں یہ سوال آسکتا ہے کہ ٹھیک اور غلط میں امتیاز کیسے ہو؟ اور اختلاف کی صورت میں اسے دور کیسے کیا جائے تو ایسی صورت میں اللہ فرماتے ہیں کہ "اگر کسی معاملہ میں تم میں اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ خدا کی کتاب کی رُو سے کر لیا کرو- 42/10"_ یقیناً اس سے بہتر طریقہ کوئی نہیں ہو سکتا- اور کیوں نہ ہو- ایسے معاملات کیلئے نبیؐ کریمؐ ہمارے لئے کتاب اللہ ہی چھوڑ گئے تھے (سیرت النبی از علامہ شبلی حصہ دوم ص 159_154) جو صاف اور غیر مبہم ہے- لاریب- اور ہر قسم کے تضاد و تشکیک سے پاک ہے- اور جس کے متعلق اللہ خود فرماتے ہیں کہ "اس قسم کے ضابطہ ہدائت کا مل جانا خدا کے فضل و رحمت سے ہے- (تم کسی قیمت پر بھی اسے حاصل نہیں کر سکتے تھے)- لہٰذا تمہیں چاہئے کہ تم اس کے ملنے پر جشن مسرت مناؤ- یہ ہر اس شے سے بہتر ہے جسے تم جمع کرتے رہتے ہو- (یعنی زندگی کی ہر متاع سے زیادہ گراں بہا اور عزیز تر)- 10/58"_

کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے محض کاغذی اور عقیدت کی باتیں ہیں- ہرگز نہیں- صدرِ اوّل میں یہ ضوابطہ عملی طور پر آزمائے جا چکے ہیں- اور دنیا ان قوانین کے حیران کن نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہے- قرآنی اقدار کی ایک خصوصیت جس نے اسے بے مثل بنایا یہ بھی ہے کہ ان پر جب' جہاں اور جو بھی عمل کرے گا وہی نتائج پائے گا- اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 176 میں اس طرح بیان کیا کہ "اگر انسان ہمارے قانون مشیت کے مطابق چلتا رہتا تو ہم اسے آسمان کی بلندیوں تک لے جاتے لیکن اس نے ہمارے قوانین کے بجائے اپنے جذبات کی پیروی شروع کر دی- اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ

وہ آسمان کی بلندیوں کے بجائے زمین کی پستیوں کے ساتھ چپک گیا"۔ غالباً" یہ خود ہماری ہی داستان ہے جسے قرآن نے اس انداز میں بیان کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ہم آسمان کی بلندیوں تک جانا چاہتے ہیں تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے قرآن کا راستہ۔ اور یہی صراطِ مستقیم ہے۔ ایک دوسری جگہ پر اللہ تعالیٰ' رسولِ اکرمؐ کی زبانِ مبارک سے اس مفہوم کو یوں کہلواتے ہیں (اے رسول! ان سے کہدو) "یہ میرا راستہ ہے۔ اسی کو صراط مستقیم کہا جاتا ہے۔ تم سب نے اسی کا اتباع کرنا۔ اگر تم نے مختلف راستے اختیار کر لئے تو پھر خدا کی طرف لے جانے والا راستہ کسی کے سامنے نہیں رہے گا۔ 6/153"

قابلِ صد احترام مولانا اثری صاحب!

کسی تالیف یا تحریر کا ایک خاص مقصد ہوتا ہے۔ اگر آپ اپنی اس تالیف سے رضائے الٰہی' دین کی خدمت یا ذریعہ ہدائت کا کام لینا چاہتے تھے تو یقیناً آپ کو ناکامی ہوئی اور ان مقاصد میں سے ایک بھی پورا نہیں ہوا۔ الثابین المسلمین نفرت اور تعصب کی دیواریں پختہ اور اونچی ہو گئی ہیں۔ اسلام محبت' پیار اور اخوت کا دین ہے۔ مسلمانوں میں باہمی ہمدردی' خلوص اور چاہت کے جذبہ کو اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کے مال و دولت سے زیادہ اہم قرار دیا ہے۔ ہمارے نبیٔ اکرمؐ نے فرمایا کہ تمام روئے زمین کے مسلمانوں کی مثال ایک جسدِ واحد کی سی ہے۔ اور مومنین باہم سب بھائی بھائی۔ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ اسی جذبہ کے تحت بالآخر تمام انسانی رشتوں کو بھی ایک ہی برادری سے منسلک کر دیا جائے۔ چنانچہ فرمایا (مفہوم) "وہ لوگ ہیں جو اس عہد کو جو انہوں نے خدا کے ساتھ نہایت مضبوطی سے باندھا تھا۔ توڑ ڈالتے ہیں اور انسانیت کے جن رشتوں کو جوڑنے کا اس نے حکم دیا تھا۔ انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے ہیں (13/21, 2/27) اور اس طرح دنیا میں فساد اور ناہمواریاں پیدا کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ زندگی کی خوشگواریوں سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اور انکا انجام بڑا ہی خراب ہوتا ہے۔ 13/25" غور فرمائیں جس خدا کو انسانیت کے رشتے اتنے عزیز ہوں' وہ کیسے برداشت کرے گا کہ مومنین ایک دوسرے کے متعلق منفی جذبات رکھیں۔

خیر یہ تو ہے مسئلہ کا ایک پہلو جس کا تعلق مومنین اور عام انسانوں کے باہمی معاملات سے ہے۔ لیکن دوسرا پہلو اس سے بہت زیادہ اہم ہے۔ آپ نے مذہبی گروہ بندی کو کتاب اللہ سے جائز ثابت کرنیکی کوشش کی ہے۔ اور قرآن کریم کو بھی اس میں ملوث کر دیا ہے۔ اور یہی بات ہے جس نے مجھے آپکو یہ خط تحریر کرنے پر آمادہ کیا۔ خدا نے انسان کو صاحبِ اختیار و ارادہ پیدا کیا ہے۔ کوئی قرآنِ کریم پر عمل کرے یا اسکے برعکس زندگی گذارے۔ اس پر کوئی جبر نہیں۔ لیکن مسلمان ہونے کی جہت سے اسے یہ زیب نہیں دیتا کہ فرقہ بندی کے ناقابلِ معافی گناہ (شرک) میں کتاب اللہ کو بھی فریق بنا لے۔ جبکہ اسکی متعدد آیات (3/104

45/17, 30/32, 6/160, 42/13,) فرقہ پرستی کو شرک اور پارٹی بازی کو خدا کا عذاب قرار دے رہی ہیں۔

محترم! یہ چار روزہ زندگی ہے۔ وہ خدا جو ہمارے دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے۔ ہماری نظروں کی خیانتوں سے بھی واقف ہے۔ آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اہلِ حدیث کا لفظ قرآن مجید میں نہیں ہے یہ چند اوراق شاہد ہیں کہ اہلِ حدیث ہونے یا کہلوانے کے متعلق آپکا دعویٰ کتاب اللہ کی منشا کے خلاف ہے' لہٰذا باطل ہے۔ ان حالات میں بہتر ہے کہ آپ پوری فراخدلی اور صاف گوئی سے کام لیکر بذات خود تردید کر دیں کہ میرے پہلے مسلک اور دعویٰ کے برعکس اہلِ حدیث ہونا یا کہلوانا قرآن مجید سے ثابت نہیں اور نہ ہی ایسا ممکن ہے۔ اس سے ایک تو آئندہ نسل کا عقیدہ خراب ہونے سے بچ جائے گا۔ دوسرے آپ بھی خدا' اس کے رسولؐ اور کتاب اللہ کی بارگاہ میں سرخرو اور بری الذمہ ہو جائیں گے۔ آپ کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ مجھے بہرحال آپکی واپسی اطلاع اور فیصلہ کا انتظار رہے گا۔

اور آخر میں یہ چند الفاظ :-

حضور سرور کائنات پیغمبر آخر الزمانؐ۔ رسول کافتہ" اللناس اور رحمت اللعالمین۔ہم سب کی محبت اور عقیدت کے مرکز ہیں۔ مذہبی گروہ بندی اور تفرقہ کے متعلق رب اللعالمین کی طرف سے انہیں کیا احکام موصول ہوئے یہ قرآن کی زبانی سن لیں۔

(مفہوم)

"دین ایک راستے پر چلنے کا نام ہے۔ مختلف راستوں پر چلنے کا نہیں۔ جو لوگ اپنے دین میں تفرقہ پیدا کر لیں اور الگ الگ گروہ بن جائیں۔ اے رسول ! تیرا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان کا معاملہ قانون خداوندی کے سپرد کر دو۔ وہی بتائے گا کہ ان کی اس روش کا نتیجہ کیا ہو گا۔ 6/160"

○ ☆ ○ ☆ ○

ایسی ہی صورت حال کے پیش نظر جناب اسرار زیدی صاحب نے کہا ہو گا۔

صد شکر کہ افسانۂ تمثیل کے بدلے
قدرت نے میرے ہاتھ میں قرآن دیا ہے

(ایڈیٹر)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بزمِ طلوع اسلام چنیوٹ

اور

تقریبِ جشنِ نزولِ قرآن

اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو ہمت و جواں مردی سے کام لینے (صابر) اور دوسروں کے اندر ہمت و استقامت پیدا کر کے ان کا معاون و مدد گار بننے (مصابرت) ایک دوسرے کے ساتھ جڑنے اور دوسروں کو اپنے ساتھ جوڑے رکھنے (ربط باہم) کا پابند ٹھہرایا ہے دیکھئے اس طرح ان صفات سے مالا مال ہو کر اپنے اندر تقویٰ پیدا کر کے ہمیں اللہ تعالیٰ نے اعلون بن کر رہنے کے جو اصول سکھائے ہیں' انہیں برتنا ہم سب کا اجتماعی فریضہ ہے۔ ادارہ' طلوع اسلام' اپنے قیام کے روزِ اول سے کتاب اللہ کے عملی نفاذ کے لئے مرکزِ ملت کے قیام اور خلافت علی منہاجِ نبوت کے احیاء کا داعی چلا آرہا ہے۔ اسی ارفع و اعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے بزم ہائے طلوع اسلام پاکستان اور بیرون پاکستان میں سرگرم عمل ہیں۔ اسی مقصد کے پیش نظر بزم ہائے طلوع اسلام وقتاً" فوقتاً" مختلف تقاریب کا انعقاد کرتی رہتی ہیں۔

23 مارچ 1995ء کو بزم طلوع اسلام چنیوٹ نے گذشتہ سال کی طرح جشنِ نزول قرآن کی تقریب کے انعقاد کا فیصلہ کیا جس کیلئے انہوں نے اردگرد کی بزموں ہی کو اپنے ہاں مدعو نہ کیا بلکہ اپنے شہر کے عمائدین اور ذمہ دار افراد تک کو بھی شمولیت کی دعوت دی۔ چنیوٹ جیسے مذہبی شہر میں قابل صد ستائش ہے محترم قاضی صفدر علی صاحب (سابق چیئرمین بلدیہ) کی ذاتِ گرامی جنہوں نے فکر قرآنی کی اس نورانی مجلس کے لئے نہ صرف اپنی رہائش گاہ فراہم کی بلکہ اجلاس کی صدارت فرما کر چنیوٹ میں اہلِ فکر و نظر کے دل جیت لئے اور قابلِ تشکر و امتنان ہیں جناب شیخ احسان الہٰی صاحب جن کے ہاں چنیوٹ میں ہفتہ وار درس قرآن کی محفلیں سجتی ہیں۔ ادارہ کی جانب سے 23 مارچ کو جناب محمد لطیف چوہدری صاحب بطور نظام ادارہ اپنے رفقاء جناب ایاز حسین انصاری صاحب نمائندہ بزم طلوع اسلام کراچی و حیدر آباد اور محترم جناب قاضی محمد کفایت اللہ' جناب چوہدری ممتاز احمد صاحب و محترم فضل دین صاحب عازم چنیوٹ ہوئے۔ جب یہ سب احباب چنیوٹ پہنچے تو پتہ چلا کہ جناب عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ پشاور سے چنیوٹ پہنچ چکے ہیں۔ جلسہ کے مقام کو

نہایت سلیقے سے رنگ برنگے بینروں اور قمقموں سے آراستہ و پیراستہ کیا گیا تھا۔ معززین شہر اور عمائدین بلدیہ کی تشریف آوری سے سٹیج اور پنڈال کی رونق میں مزید اضافہ ہو گیا۔

کاروائی کا آغاز عزیزہ بیٹی قرۃ العین نے تلاوت قرآن پاک سے کیا' جناب حکیم محمد اسلم صاحب نے ان آیات کے مفاہیم سے حاضرین کو بہرہ ور کیا اور مذہبی اختلاف و تفرقہ کی مذمت میں ایک پنجابی شاعر کی طویل پنجابی نظم پیش کی گئی' اس کے بعد حکیم محمد دین نسیم صاحب نے فاضلانہ لیکن گہرے درد میں ڈوبے ہوئے انداز میں اختلاف و تفرقہ کے مفاسد بیان کئے اور خالق و مخلوق کے مابین حائل مذہبی پیشوائیت کی چیرہ دستیوں سے نہایت پرکشش انداز میں نقاب الٹا' کہ پورے پنڈال کے باذوق اور باعلم حضرات و خواتین بے ساختہ انداز میں داد و تحسین دینے پر مجبور ہو گئے۔ اس کے بعد جناب آفتاب عروج صاحب نے مقامی بزم کی کارکردگی اور جشن نزول قرآن کی تقریب کے انعقاد کی اہمیت و افادیت کے ساتھ ساتھ اپنی بزم کی دوسری مثبت اور تعمیری کاروائیوں کی تحریری رپورٹ پیش کی۔ جناب ظفر عباس ایڈووکیٹ (جھنگ) نے ماہ رمضان اور نزول قرآن حکیم کے حوالے سے نہایت سلجھے ہوئے انداز میں کتاب اللہ کی عظمت اور ہم مسلمانوں کی غفلت کو ایسے پر درد طریقے سے بیان کیا کہ بعض آنکھوں میں آنسو اتر آئے۔ انہوں نے کہا کہ مکان کی عظمت مکین کی وجہ سے ہوتی ہے۔ رمضان کی عظمت کلام اللہ کی عظمت کا ظل و عکس ہے' لیکن ہم عجیب لوگ ہیں کہ سائے کے پیچھے دوڑ رہے ہیں اور جس چیز کا وہ سایہ ہے اس کی طرف سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اس تقریر کا مجموعی تاثر یہ تھا کہ لوگ کتاب اللہ کے باب میں اپنے غلط طرز عمل پر ندامت محسوس کر رہے تھے۔

اس کے بعد محترم جناب قاضی محمد کفایت اللہ صاحب کو کتاب اللہ اور مسلمانوں کے فرائض کے موضوع پر خطاب کرنے کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے (6/19) کی رو سے بتایا کہ قرآن حکیم کی بنیاد پر جاگنا اور دوسروں کو جگانا ہم سب کا اجتماعی فریضہ ہے ہم سوچیں کہ کیا ہم خود جاگے ہیں؟ اور کیا ہماری دعوت پر ہمارے دائیں بائیں کوئی ایک بھی مسلمان جاگا ہے؟۔ انہوں نے کہا کہ ایمان دراصل ایمان بالقرآن ہے اور یہ ایمان بالقرآن ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم اپنی انفرادی و اجتماعی زندگیوں میں کلام اللہ کی حکمرانی قائم کریں کیونکہ کلام اللہ کی حکمرانی کے قیام کے بغیر ہم اللہ تعالیٰ کی نظر میں مومن ہونے کی بجائے کافر ظالم اور فاسق ٹھہرائے گئے ہیں (5/45-46-47) آپ نے بتایا کہ امت مسلمہ کا موجودہ ذلت و محکومیت کی حالت سے نجات پانا کتاب اللہ کی کامل و مکمل اتباع کے بغیر ناممکن ہے۔ (6/155-7/204) انہوں نے کہا کہ ہمارے نزدیک علامہ پرویز صاحب کا اصل کمال اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ خادم قرآن تھے اور ہر وہ شخص جو خدمت کتاب اللہ کے لئے اپنے آپ کو وقف کرتا ہے وہ از خود ہمارا ساتھی بن جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک وہ کوئی معصوم شخصیت یا مبرئ عن

الخطاء انسان نہ تھے اور نہ ہی ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے افکار و تصورات' سہو و خطاء سے پاک ہیں۔ وہ انسان تھے اور ہر انسانی کوشش خواہ وہ کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو' اپنی تمام تر عظمت کے باوجود ابدی طور پر کامل اور ہر طرح کے سہو و خطاء سے مافوق نہیں ہوا کرتی۔ پس ہمارا فریضہ ہے کہ ہم شمعِ قرآن کی روشنی کو دور دور پھیلائیں' تاکہ نہ صرف پاکستان اور عالم اسلامی بلکہ پوری کی پوری کائنات بقعہ نور بن جائے۔ ان کے بعد محترم قاسم نوری صاحب نے انسان اور حیوان کے طرز عمل کا تقابل کرنے کی کوشش کی تو حسن اتفاق سے اس احاطہ میں محصور "مور" چیخ اٹھے۔ جس سے محفل' جس پر متانت و سنجیدگی چھائی ہوئی تھی' محفل زعفران میں تبدیل ہو گئی۔ اس کے بعد جناب لطیف چوہدری صاحب ناظم ادارہ طلوع اسلام نے سٹیج پر آکر وضاحت کی کہ ہمیں طیور کی ان بولیوں کو اپنی تائید پر محمول نہیں کرنا چاہئے بلکہ یہ ان کی صدائے احتجاج ہے جو وہ حضرت انسان سے بایں الفاظ کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت انسان بھی عجب حیوان ہے۔ جب اسے اپنی ناکامیوں اور نامرادیوں کا کوئی حل نظر نہیں آتا تو وہ انہیں چھپانے اور اپنے غم و غصے کے لاوے کو ہماری طرف پھیرنے کیلئے اپنے کلام و بیان میں ہماری مثالوں کی بھرمار کرنے لگتا ہے۔ اسے چاہئے کہ یہ اپنے غم و اندوہ کے قصوں کو اپنی ذات تک محدود رکھے اور ہمیں ہمارے اپنے حال پر چھوڑ دے۔ کیونکہ ہم اپنے فرائض اور ان کی ادائیگی کو اپنی اپنی فطری جبلتوں کی بنیاد پر ادا کرنے کا فن انسان سے کہیں بہتر جانتے ہیں اور اپنے جبلی فرائض کو نبھانے میں کسی ادنیٰ ترین کوتاہی کے بھی مرتکب نہیں ہوتے۔ اس تقریب میں ہماری بیٹی عصمت طاہرہ نقوی نے "خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے"۔ کے عنوان پر خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہماری خودی اس لئے مسلمان نہیں کہ ہم مسلمان ہونے کی بجائے دیو بندی۔ بریلوی۔ حنفی۔ شافعی اور مالکی وغیرہ فقہوں اور فرقوں میں بٹ کر ایک دوسرے سے بے زار ہی نہیں بلکہ ایک دوسرے کی جان کے دشمن اور اس کی عزت و آبرو کے راہزن بن چکے ہیں۔ آج ہمارے نشیمن ہی معرض خطر میں نہیں' بلکہ ہماری مساجد اور معابد بھی گھیراؤ اور جلاؤ کی زد میں آچکے ہیں۔ حاضرین نے انہیں دل کھول کر داد دی۔ یقیناً وہ اپنی عمر کے حوالے سے داد پانے کی مستحق تھیں۔ اس کے بعد اختتام تقریب سے ذرا پہلے صدر مجلس جناب عبداللہ ثانی صاحب ایڈووکیٹ کو سٹیج پر تشریف لائے اور حاضرین کے استفسارات کے جوابات دینے کی دعوت دی گئی۔ آپ نے طرح طرح کے گنجلک و پیچیدہ استفسارات کے جس سادگی سے جوابات عطا کئے وہ انہیں کا حصہ ہے۔ انہوں نے جس طرح حاضرین کی قرآنی تشنگی کی تسکین کا اہتمام کیا یہ بھی انہیں کا نصیبہ ہے۔ یہ سوال بھی سامنے آیا کہ اسلام اور فرقوں کا باہمی تعلق کیا ہے اور کیا سواد اعظم کے سوا کوئی دوسرا فرقہ اپنے مسلمان ہونے کا دعویدار ہو سکتا ہے؟۔ اس مشکل سوال کا جس قدر عالمانہ جواب ہمارے اس محترم

بھائی نے دیا' اس کا بھی جواب نہیں۔ آپ نے یہ ثابت کرنے کیلئے کہ اسلام اور فرقے آپس میں مناسبت نہیں رکھتے اور کوئی فرقہ خواہ وہ چھوٹا ہو یا تعداد و وسائل کے حوالے سے بہت بڑا' یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ اپنے آپ کو اسلام کا اجارہ دار کہلا سکے۔ اس کو منوانے کیلئے انہوں نے عقل و منطق کا سہارا لینے کی بجائے جو ڈرامائی طریق کار اختیار کیا اس پر ارسطو و افلاطون کی حکمت و دانش بھی عش عش کئے بغیر نہ رہ سکی ہو گی۔ انہوں نے سٹیج کے قریب پڑے ہوئے ایک "گھڑے" کو اٹھایا' اس کے فوائد سے حاضرین کو آگاہ کیا اور پھر ڈرامائی انداز میں اسے زمین پر دے مارا۔ جس کے نتیجے میں گھڑا چار یا پانچ چھوٹے بڑے ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا اس پر انہوں نے ایک ایک ٹکڑے کو اٹھایا اور پوچھا کہ بتاؤ یہ گھڑا ہے؟ سب نے کہا نہیں۔ آپ نے پوچھا کیا کوئی ایک ٹکڑا اپنے گھڑا ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ اس پر آپ نے سب سے بڑے ٹکڑے کو اٹھایا کہا دیکھو' یہ سب سے بڑا ہے۔ اس میں ہم پانی بھی ڈال سکتے ہیں اور اس کے ذریعے پانی پی بھی سکتے ہیں۔ اس میں ایسی چیزیں بھی رکھ سکتے ہیں جو ہم پہلے گھڑے میں رکھا کرتے تھے' لیکن اس سب کے باوجود کیا اس بڑے ٹکڑے کو آپ گھڑا ماننے کیلئے تیار ہیں؟۔ کیا آپ اِس کا یہ دعویٰ تسلیم کرنے کیلئے تیار ہیں کہ چونکہ یہ سب ٹکڑوں سے بڑا ہے' اس لئے اسے گھڑا یا اِس کا قائمقام مان لیا جائے؟ سب نے بیک زبان کہا کہ نہیں ایسا نہیں۔ فاضل مقرر نے اس عملی دلیل کو بنیاد بناتے ہوئے ایک ایک دل میں یہ نکتہ راسخ کر دیا کہ اسلام کا گھڑا جب خلافت علی منہاج نبوت کے بعد' ملوکیت میں تبدیل ہو جانے کے بعد فقہوں۔ فرقوں' گروہوں یعنی ٹکڑوں میں بٹ گیا' تو اب کوئی چھوٹا یا بڑا ٹکڑا خواہ اسے اپنے بارے میں سواد اعظم ہونے ہی کا دعویٰ کیوں نہ ہو' اپنے واحد مسلمان ہونے اور اسلام کے اجارہ دار ہونے کا قطعاً" دعویدار نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ یہ گھڑا دوبارہ صحیح و سالم ہو جائے تو آیئے اس کے منتشر اور ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کو دوبارہ قرآنِ حکیم کے سیمنٹ یا الفی سے اس طرح دوبارہ جوڑ دیں کہ ہر ٹکڑا دوسرے کے ساتھ جڑ کر اپنے آپ کو ایک وحدت میں پروئے ہوئے دوبارہ گھڑے کے قالب میں فٹ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے مسائل کا حل نہ سیاستدانوں کے پاس ہے' نہ مذہبی پیشواؤں کے۔ ہمارے مسائل کا حل اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن پاک کی حکمت و حکومت کے قیام سے مشروط ہے۔ آیئے ہم سب مل کر اپنے طور پر کتاب اللہ کو عقل و بصیرت کی روشنی میں پڑھنے اور سمجھنے کا آغاز کریں اور اس طرح اپنے اوپر چھائی ہوئی اس طاغوتی ظلمت سے نجات پائیں' جس کی سیاہی نے ہمارے چہروں کو اس حد تک مکروہ و بھیانک بنا رکھا ہے کہ ہماری معصوم اولادوں کو بھی ہم سے نفرت و کراہت ہونے لگی ہے۔

جس بزم طلوع اسلام کی طرف سے آج ہمیں یہاں دعوت دی گئی ہے اس کا نہ کوئی مذہبی فرقہ ہے

اور نہ یہ کسی سیاسی جماعت کی حیف یہ حریف ہے۔ تحریک طلوع اسلام اس کے سوا کسی اور چیز کی داعی نہیں کہ امت کا ایک ایک بچہ اپنے رب کے کلام کو پہلے خود سمجھے پھر دوسروں کو سمجھائے۔ پہلے خود اس کے مطابق چلے' پھر اپنے عملی نمونے سے دوسروں کو کتاب اللہ پر چلنے کیلئے ایک عملی نمونہ قائم کرے۔ یہ فریضہ صرف طلوع اسلام کا ہی نہیں' یہ ہم سب مسلمانوں کا اجتماعی فریضہ ہے۔ آیئے اس فریضے سے عہدہ برآ ہونے کا عہد کریں' کیونکہ افق پر تیرتی رحمت خداوندی کی بدلیاں' موسلا دھار برسنے اور ہمارے ویرانوں کو گل و گلزار میں تبدیل کرنے کیلئے اس کے سوا کسی اور چیز کی منتظر نہیں کہ یہ امت دوبارہ حامل قرآن ہو کر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے بہرہ ور ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ان منتظر رحمتوں سے اپنے خالی دامنوں کو بھرنے کی توفیق عنائت فرمائے۔

رات کے تقریباً ایک بجے یہ قرآنی محفل اپنے اختتام کو پہنچی۔ مختلف بزموں سے آئے ہوئے نمائندوں اور ارکان کی زبانوں پر ایک ہی صدا جاری تھی۔ اے کاش ! کہ ایسی تقاریب کا اہتمام ہر ہر بزم کے دائرے میں ہوا کرے۔ تاکہ خوابیدہ امت کو بیدار کرنے میں ہماری یہ بزمیں اپنا فعال کردار سرانجام دے سکیں۔ ادارہ اپنی بزموں اور ان کے نمائندوں اور ان کے ارکان سے توقع رکھتا ہے کہ وہ بھی اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے کسی نہ کسی مناسبت کا سہارہ لیتے ہوئے ایسی تقاریب منعقد کرنے کا اہتمام کرنے کیلئے اپنے وسائل کا جائزہ لیں۔ مرکزی ادارہ انہیں یقین دلاتا ہے کہ اس حوالے سے جو بھی انہیں فکری راہنمائی اور نظریاتی تعاون درکار ہو گا' اسے پیش کرنے میں ادارہ اور اس کے ارباب بست و کشاد کسی طرح کے بخل یا تساہل سے کام نہیں لیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ابدی کلام کے انور و تجلیات کو پھیلاتے رہنے کی توفیق عنائت فرماتا رہے۔ آمین

صدمہ

بزم ناروے کے روح رواں جناب سردار حمید صاحب کو اپنی اہلیہ کی وفات کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ مرحومہ کی وصیت کے مطابق انہیں سرزمین پاکستان میں دفن کیا گیا۔ سردار حمید صاحب 29 مئی کو واپس ناروے جا رہے ہیں۔ ادارہ سردار صاحب کے اس غم میں برابر کا شریک ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین

چیئرمین ادارہ طلوع اسلام

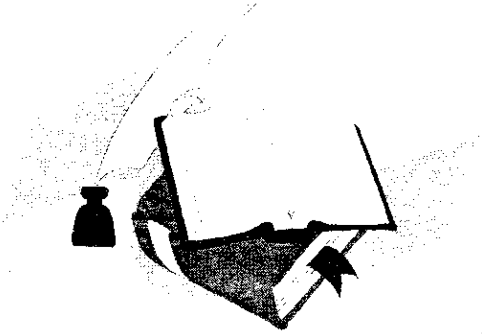

ISLAM

A Challenge to Religion

(By Parwez)

The very name of the book strikes one as a paradox, for it is universally recognized that Islam is one of the religions of the world. So how could a religion challenge the very institution to which it subscribes? The author has indeed made a successful bid to prove this strange aphorism for the first time in the history of Islamic thought and his research deserves careful study. It is thought-provoking; it is revolutionary, opening new vistas and bold horizons of intellectual endeavours. It is the outcome of life-long study of one of the renowned Quranic thinkers of our times.

The author has not, however, taken a purely negative attitude. Having proved his claim that Islam is NOT a religion, he has very lucidly explained what Islam really is, and how it offers the most convincing and enduring answers to those eternal questions which every thinking man asks about the meaning and purpose of life, and how it can be achieved. The book is thus a unique attempt at the rediscovery of Islam.

Scholarly written and exquisitely presented.

Bound. Rs. 150/= (Postage extra)/Paper Back. Rs.75/=

TOLU-E-ISLAM TRUST (Regd.)

25-B, Gulberg-2, Lahore, 54660, Pakistan.

Total proceeds from Tolu-e-Islam Trust publications are spent on dissemination of Quranic Teachings.

DARS-E-QURAN

(Recorded Lectures of Allama Parwez (r)
BOOKS AND MAGAZINE TOLU-E-ISLAM ARE ALSO AVAILABLE AT THE FOLLOWING PLACES.

1. **CANADA**
716 The West Mall,Suit 1804
Etobicoke, ONT (416) 620-4471 — First Sun 11AM

2. **DENMARK**
Nattergaleveg 98, St Tv.,
2400 Copenhagen NV — Last Sat 2 PM

3. **Kuwait**
Flat No. 6, Floor No. 3
Taher Bu Hamad Building Oppsite Al-Othman Mosque,
Hawally, Kuwait — Friday 5.PM

4. **NORWAY**
Akeberg Veien-56, Oslo-6
Galgeberg, 4th floor — 1st Sun 4PM

5. **UNITED KINGDIM**

(i) **Birmingham**
229 Alum Rock Road — Sunday 3PM

(ii) **London**
76 Park Road Ilford Essex
Phone 081-553-1896 — 1st Sun 2:30PM

(iii) **Yardley**
633 Church Road, Yardley, Birmingham
B33 8HA (Phone 021-628-3718) — Last Sun 2PM

(iv) **Essex**
50 Arlington Road, Southend-on-Sea
ESSEX SS2 4UW, Phone 0702-618819 — 2nd Sun 3PM

(v) **Yorkshire**
Cardigan Community Centre
145-49 Cardigan Road LEEDS-6
Contact M. Afzal Phone 0532-306140 — 1st Sun 3PM

...N AIR

Dars-e-Quran on TV-9
Oslo (NORWAY) — Thursday 21:00PM

If our westernized class started to study Islam, not only will it be able to help our society fight sectarianism and extremism, but it will also make them realize what a progressive religion Islam is. They will also be able to help the western world by articulating Islamic concepts. Last year, Prince Charles accepted that the western world can learn from Islam during his speech at the Oxford Union. But how can this happen if the group that is in the best position to project Islam gets its attitudes from the west and considers Islam backward? Islam is a universal religion and that is why our Prophet (Peace be upon him) was called a *Rahmat* for all mankind.

[Courtesy Mr. M.M.Farhat from London]

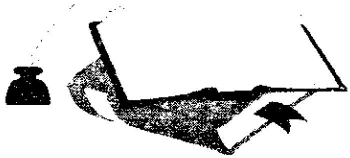

The Quran Says: Man can get only that thing (as a matter of right) for which he strives. (Al-Quran 53:43).

You shall be requitted for all that you do (Al- Quran 45:28)

(In order to achieve their objective the believers always) strive hard and even sacrifice their life (where required) Al-Quran 9:88)

The object of this struggle, by believer, in which he spends his wealth and is prepared to sacrifice his life, is to establish a true Quranic Society where the necessities of life of every individual get fulfilled and their potentialities get realized. Thus according to the Holy Quran, a man does not achieve anything without struggle and the return of one's deeds cannot be transferred to another person. Islam emphasizes on man to act and struggle hard and then enjoy the results of his deeds.

arrogance. Also, instead of the snobbish Brown Sahib attitude towards our masses, I believe in egalitarianism and strongly feel against the injustice done to the weak in our society. According to the Quran, "Oppression is worse than killing." In fact only now do I understand the true meaning of Islam, if you submit to the will of Allah, you have Inner peace.

Through my faith, I have discovered strength within me that I never knew existed and that has released my potential in life. My education program that I intend to announce in March 1995 is far more ambitious than the cancer hospital project. I feel that in Pakistan we have selective Islam. Just believing in God and going through the rituals is not enough, one also has to be a good human being. I feel there are certain western countries with far more Islamic traits than us, especially in the way they protect the rights of their citizens, or for that matter their justice system. In fact some of the finest individuals I know live there. What I dislike about them is their double-standards in the way they protect the rights of their citizens and yet consider citizens of other countries as being somehow inferior to them as human being, e.g. dumping toxic waste in the Third World, advertising cigarettes that are not allowed in the west and selling drugs that are banned in the west.

One of the problems facing Pakistan is the polarization of two reactionary groups. On the one side is the westernized group that looks upon Islam through western eyes and has inadequate knowledge about the subject. It reacts to any one trying to impose Islam in the society and wants only a selective part of the religion. On the other extreme is the group that reacts to this westernized elite and in trying to become a defender of the faith, takes up such intolerant and self-righteous attitudes that are repugnant to the spirit of Islam.

What needs to be done is to somehow start a dialogue between the two extremes. in order for this to happen, the group on whom the greatest proportion of our educational resources are spent in this country must study Islam properly. Whether they become practicing Muslims or believe in God is entirely a personal choice; as the Quran tells us that there is "no compulsion in religion." However, they must arm themselves with knowledge as a weapon to fight extremism. By turning up their noses at extremism is not going to solve the problem.

The Quran calls Muslims "The middle Nation", i.e. not of extremes. The Holy Prophet (Peace be upon him) was told to simply give the message and not worry whether people converted or not, therefore, there is no question in Islam of forcing your opinions on any one else. Moreover, we are told to respect other religions, their places of worship and their prophets. It should be noted that no Muslim missionaries or armies ever went to Malaysia or Indonesia. The people converted to Islam due to the high principles and impeccable character of the Muslim traders. At the moment, the worst advertisement for Islam are the Muslim countries with their selective Islam, especially where the religion is used to deprive people of their rights. In fact, a society that obeys the fundamentals of Islam has to be a liberal one.

religion which preaches the equality of man. Between `91 and 94, it was estimated that total immigration into Europe was around 320,000, and there were racially motivated attacks all over, especially Britain, France and Germany. In Pakistan during the Afghan war, we had over four million refugees, and despite the people being so much poorer here and in the NWFP, they suffered a considerable loss in their standard of living as a result of the refugees yet, there was no racial tension. No wonder, last year in Britain religious education was reintroduced in their schools.

There was a sequence of events in the 80's that moved me towards God as the Quran says: "There are signs for people of understanding." One of them was cricket. As I was a student of the game, the more I understood the game, the more I began to realize that what I considered to be chance was, in fact, the will of Allah, a pattern which became clearer with time. But it was not until Salman Rushdie's Satanic Verses that my understanding of Islam began to develop.

People like me who were living in the western world bore the brunt of anti-Islam prejudice that followed the Muslim reaction to the book. We were left with two choices : fight or flight. Since I felt strongly that the attacks on Islam were unfair, I decided to fight. It was then I realized that I was not equipped to do so as my knowledge of Islam was inadequate. Hence I started my research and for me a period of my greatest enlightenment. I read scholars like Ali Shariati, Mohammad Asad, Iqbal, Gai Eaton , plus of course, a study of the Holy Quran.

I will try to explain as concisely as is possible, what "discovering the truth" meant for me. When the believers are addressed in the Quran, it always says, "Those who believe and do good deeds." In other words, a Muslim has dual function, one towards God and the other towards fellow human beings.

The greatest impact of believing in God for me, meant that I lost all fear of human beings. The Quran liberates man from man when it says that life and death and respect and humiliation are God's jurisdiction, so we do not have to bow before other human beings. As Iqbal puts it, *Wo aik Sajda jisay tu giran samajhta hai, hazaar sajde say deta hai aadmi ko nijaat.*

Moreover, since this is a transitory world where we prepare for the eternal one, I broke out of the self-imposed prisons, such as growing old (such a curse in the western world, as a result of which, plastic surgeons are having a field day), materialism, ego, what people say and so on. It is important to note that one does not eliminate the earthly desires, simply that instead of being controlled by them, one controls them.

By following the second part of believing in Islam, I have become a better human being. Rather than being self-centered and living for the self, I feel that because the Almighty gave so much to me, in turn I must use that blessing to help the less privileged. By following the fundamentals of Islam rather than becoming a Kalashnikov-wielding fanatic, I have become a tolerant and a giving human being who feels compassion for the under privileged. Instead of attributing success to myself, I know it is because of God's will, hence humility instead of

my childhood. It was not so much out of conviction but love for her that I stayed a Muslim. However, my Islam was selective, i.e. I accepted only parts of the religion that suited me. Prayers were restricted to Eid days and occasionally on Fridays, when my father insisted on taking me with him. If there was a God I was not sure about it and certainly felt that he did not interfere with my life. All in all I was smoothly moving to becoming a Pukka Brown Sahib. After all I had the right credentials in terms of the right school, university and above all, acceptability In the English aristocracy, something that our brown sahibs would give their lives for. So what led me to do a *lota* on the Brown Sahib culture and instead become a desi?

Well it did not just happen overnight. Firstly, the inferiority complex that my generation had inherited, gradually went as I developed into a world class athlete. Secondly, I had the unique position of living between two cultures. I began to see the advantages and the disadvantages of both the societies. In western societies, institutions were strong while they were collapsing in our country. However, there was an area where we were and still are superior, and that is our family life. I used to notice the loneliness of the old-age pensioners at Hove Cricket ground (during my Sussex years). Imagine sending your parents to Old People's Homes! Even the children there never had the sort of love and warmth that we grew up with here. They completely miss out on to security blanket that a joint family system provides.

However, I began to realize that the biggest loss to the western society was that in trying to free itself from the oppression of the clergy, they had removed both God and religion from their lives. While science can answer a lot of questions, no matter how much it progresses, two questions it will never be able to answer: One, what is the purpose of our existence and two, what happens to us when we die? It is this vacuum that I felt created the materialistic and the Hedonistic culture. If this is the only life then one must make hay while the sun shines and in order to do so, one needs money.

Such a culture is bound to cause psychological problems in a human being, as there is going to be an imbalance between the body and the soul. Consequently, in the USA, which has shown the greatest materialistic progress and also gives its citizens the greatest human rights, almost 60 per cent of the population consults psychiatrists. Yet, amazingly in modern psychology, there is no study of the human soul. Sweden and Switzerland, which provide the most welfare to their citizens, also have the highest suicide rates; hence, man is not necessarily content with material well-being, he needs something more.

Since all morality has its roots in religion, once religions was removed. immorality has progressively escalated since the 70's. The direct impact of it is on the family life. In UK, the divorce rate is 60 per cent, while it is estimated that there are over 35 per cent single mothers. The crime rate is rising in almost all western societies, but the most disturbing fact is the alarming increasing racism. While science always tries to prove the inequality of man (recent survey showing the American Black to be genetically less intelligent than whites), it is only

Tolu-e-Islam

ISLAM THE ONLY WAY

By

Imran Khan

[Published under heading " In Pakistan we have selective Islam " in the Pakistan News Service Newsletter]

My generation grew up at a time when the colonial hang up was at its peak. Our older generation had been salves and had a huge inferiority complex of the British. The school I went to was similar to all the elite schools in Pakistan, despite becoming independent, they were, and still are, producing replicas of English public school boys rather than Pakistanis. I read Shakespeare which was fine, but no Iqbal. The Islamic class was not considered to be serious, and when I left the school I considered myself amongst the elite of the country because I could speak In English and wore western clothes. Despite periodically shouting Pakistan Zindabad at school functions, I considered my own culture backward and Islam an outdated religion. Amongst our group if any one talked about religion, prayed or kept a beard, he was immediately branded a Mullah. Because of the power of the Western media, all our heroes were western movie or pop stars.

When I went to Oxford already burdened with this hang up from my school days, things didn't get any easier. In the University not just Islam but all religions were considered anachronism. Science had replaced religion and if something could not be logically proved it did not exist. All supernatural stuff was confined to the movies. Philosophers like Darwin who with his half baked theory of evolution was supposed to have disproved the creation of man and hence, religion.

Moreover, the European history had an awful experience with religion. The horrors committed by the Christian clergy in the name of God during the Inquisition had left a powerful impact on the western mind. To understand why the west is so keen on secularism, none should go to places like Cordoba in Spain and see the torture apparatus used during the Spanish Inquisition. Also the persecution of scientists as heretics by the clergy had convinced the Europeans that all religions are regressive.

However, the biggest factor that drove people like me away from religion was the selective Islam practiced by most of its preachers. In other words, there was a huge difference between what they practiced and what they preached. Also, rather than explaining the philosophy behind the religion, there was an over emphasis on rituals. I feel that humans are different: to animals whereas the latter can be drilled, humans need to be intellectually convinced. That is why the Quran constantly appeals to reason. The worst of course, was the exploitation of Islam for political gains by various individuals or groups.

Hence, it was a miracle I did not become an atheist. The only reason why I did not was the powerful religious influence wielded by my mother on me since